تحفظ ختم نبوت کا حقیقی علمبردار و احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کا ترجمان

ماہنامہ

چودھویں صدی

دہلی

ایڈیٹر: ممتاز عالم

Rs. 10/-

ستمبر ۲۰۰۷ء

ایل۔۲۵/۱ اے، دلشاد گارڈن، دہلی۔۱۱۰۰۹۵

www.aaiil.org

ماہنامہ
چودھویں صدی
دہلی

سرپرست
جناب شوکت اے۔ علی صاحب
(تھائی لینڈ)

آئینۂ مضامین

نمبر شمار	عنوان		صفحہ نمبر
۱	اداریہ	مفتی ممتاز عالم	۲
۲	روزہ کے فضائل	خواجہ کمال الدین صاحب	۳
۳	روزہ تمام انبیاء اور صلحاء کی آزمودہ عبادت ہے	مولانا صدرالدین صاحب	۵
۴	رمضان المبارک اور قرآن مجید	زینب نقوی	۹
۵	روزہ اور اس کا نفسیاتی تجزیہ	حامد الوارثی صاحب لالکپوری	۱۱
۶	نماز اور جدید میڈیکل سائنس	محمد انور بن اختر	۱۳
۷	اسلام کی زرّیں تعلیمات	ادارہ	۱۴
۸	اسلام میں پردہ کا رواج	شہید مرتضیٰ مظہری	۲۰
۹	دینی مزاج کا فقدان کیوں؟	ڈاکٹر محمد رفیع احمد	۲۲
۱۰	فری سیکس کے نام پر دجال نے ہندوستان پر حملہ کر دیا		۲۴
۱۱	مذہب اور قومی یکجہتی	ڈاکٹر عبدالحق انصاری	۲۵
۱۲	باہمی محبت کے تقاضے (سلام، مصافحہ، اور معانقہ)	مولوی احمد گل صاحب	۲۸
۱۳	دینِ اسلام کی ترقی کا راز مسلم اقوام کے باہمی اتحاد میں مضمر ہے		۳۱
۱۴	اسلام نے خیرات کو انقلابی حیثیت عطا کی	غلام نبی مسلم	۳۳
۱۵	احمدیہ انجمن اسلام انڈیا کے ممبران بورڈ کی میٹنگ	ادارہ	۳۷

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ایڈیٹر
مفتی ممتاز عالم

جلد نمبر ۸
شمارہ ۹
رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
ستمبر ۲۰۰۷ء

مجلس ادارت
ایم وائی تاثیر صدر (کشمیر)
اصغری بانو نائب صدر (ممبئی)
بشارت سلیم جنرل سکریٹری (جموں)
اشفاق حسین سکریٹری (کولکاتہ)
عبدالغفار مقامی صدر (دہلی)

کمپیوٹر کمپوزنگ: اسلم اعجاز

بدل اشتراک
فی شمارہ .... ۱۰؍روپے
سالانہ .... ۱۰۰؍روپے
بیرون ملک .... ۱۰؍پونڈ
ڈالر امریکن .... ۱۲ ڈالر

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا L-25A، دلشاد گارڈن، دہلی۔95 فون: 22596616، 9910750455
E-mail:ahmadiyyaanjuman@yahoo.co.in Our Website:www.aaiil.org(or)islam.lt

کسی بھی معاملے کی شنوائی صرف دہلی کی عدالت میں ہوگی۔

www.aaiil.org

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قارئین حضرات السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رمضان کا بابرکت مہینہ مبارک ہو! ہم اس مبارک مہینہ کے موقعہ پر آپ کی خدمت میں ماہنامہ ''چودھویں صدی'' کا رمضان المبارک نمبر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے لیے رحمت، مغفرت اور جہنم سے خلاصی کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لیے اس سے بہتر اور کوئی مہینہ نہیں۔ اس کے تینوں عشروں میں تزکیۂ نفس، عبادت اور ریاضت کا درس ہے یہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن الحکیم کا نزول ہوا جس میں کل بنی نوع کے لیے ہدایات اور حق و باطل میں فرق کرنے والی کھلی کھلی نشانیاں ہیں اور مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کی آمد ہماری سعادت مندی ہے اس کے روزے ہم پر فرض ہیں اور روزوں کے بھی بے شمار فضائل ہیں اور اسی میں شب قدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے غرض کہ رب العلمین کی جانب سے ہر سال نعمتوں کا یہ مہینہ موسم بہار لے کر ہم پر سایہ فگن ہوتا ہے اور نزول قرآن اور بعثت نبوی کی یادوں اور تذکروں کا اعادہ کرتا ہے اور سالگرہ کی دعوت دیتا ہے۔

لہٰذا ہماری کامیابی اور بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس کی قدر کریں، روزے رکھیں، جہاں تک ہو سکے عبادت و ریاضت کریں اپنی مرادیں مانگیں، گناہوں سے توبہ کریں اور اپنی آئندہ نئی زندگی کا آغاز یہیں سے کریں، کتاب اللہ وسنت رسول کو شب و روز اپنا دستور العمل بنانے کا وعدہ اس پر ثابت قدم رہنے کا عزم مصمم کریں۔

خبردار! یہاں ہم سے کوئی لغزش یا بھول نہ ہو جائے اللہ کے پیارے رسولؐ نے اس کے لیے سخت تاکید فرمائی ہے اور پروردگار عالم اپنے رسول کو مخاطب کرتے ہوئے ہم سے یوں گویا ہے **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوہ الداع اذا دعان** جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو آ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ میں قریب ہوں۔ دُعا کرنے والے کی دُعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں۔ رمضان المبارک اور اس کے روزوں کے ذیل میں یہ فرمان باری اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ رمضان کی ہر رات میں ایک منادی پکارتا ہے اور کہتا ہے کوئی ہے مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے، کوئی توبہ کرنے والے ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے، کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کی مانگ پوری کی جائے پھر اس کی عبادتوں کے اجر و ثواب اور درجات کو ستر گنا سے ہزار مہینوں تک بڑھا دیا جانا اور اس کے حصول کی ترغیب و تحریص یہ سب جناب الٰہی سے امت مسلمہ کے لیے ایک خاص عطا و بخشش اور ان پر اپنی نعمتوں کا بے پناہ نزول نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پر عظمت اور بابرکت مہینہ میں ہمیں عبادتوں کے ساتھ ساتھ انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ کر چڑھ کر حصّہ لینا چاہئے اسی طرح ہمیں اپنے اندر اتحاد و اتفاق، ایثار اور ہمدردی کے جذبات کو پیدا کرنے کی بھی شدید ضرورت ہے۔ ابھی ہمیں اپنی شب و روز کی روحانی تربیت اور ترقی کے لیے اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں۔

احباب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام اور قارئین کی جانکاری کے لیے عرض ہے گذشتہ دو سال سے انجمن کے ممبران بورڈ نے ماہنامہ ''چودھویں صدی'' کے ادارتی عملہ میں تبدیلی کی تھی اور کچھ احباب انجمن کو خدمت کا موقع دیا تھا۔ ستمبر ۲۰۰۷ء میں اس میں پھر ایک تبدیلی لاتے ہوئے اس کی ادارت طباعت اور اشاعت کی ذمہ داری مجھ ناچیز کے کمزور کندھوں پر رکھی ہے اور خدمت کا موقع دیا ہے دُعا فرمائیں کہ اللہ اس عاجز کو اس کا اہل بنائے اور یہی میری مغفرت اور عافیت کا باعث ہو ہم (بشمول تمام رفقاء) بارگاہِ ایزدی میں دست بستہ دُعا گو ہیں کہ اللہ ہمیں اسلام اور احمدیت کی صحیح تصویر آپ تک پہنچانے کی توفیق بخشے آمین!

جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے ''احمدیت'' کا وجود۔ تجدید دین کے لیے، قرآن وسنت کی خدمت کے لیے افکار باطلہ کے استیصال کے لیے اور مجدّد صد چہاردھم کے روحانی مشن یعنی اسلام کو فروغ دینے کے لیے ہے۔

قرآن ہمارے پاس ہے، دین مکمل ہو چکا ہے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی اب یہاں ''نہ نیا نبی آئے گا نہ پرانا'' دراصل یہی ختم نبوت ہے اور اسی پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) قائم ہے اور بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمدؒ کا اصل دعویٰ دعویٰ مجددیت ہے دعویٰ نبوت نہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے دوسرے تمام دعوے ذیلی حیثیت رکھتے ہیں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا لٹریچر اس کا زندہ ثبوت ہے۔

بالآخر ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ حتی الوسع جریدہ ''چودھویں صدی'' کو زیادہ سے زیادہ مفید مضامین اور معلومات سے مزین کر کے آپ تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

والسلام

اللہ حافظ

روزہ کے فضائل

از خواجہ کمال الدین صاحب

حقیقت میں اسلام نے اپنی معقول تعلیم کے ذریعے انسان کو نہ صرف ان چیزوں سے روکا ہے۔ جو اس کے لیے حرام ہیں۔ بلکہ بعض حالات کے ماتحت دوسروں کی خاطر حلال چیزوں کے استعمال سے بھی منع کیا ہے۔ اس انسان کے لیے جو اسلام کی تعلیم کے ماتحت اپنے دینوی مقبوضات اور تعلقات کو مذکورہ بالا نقطہ خیال سے دیکھنے کا عادی ہے معبود حقیقی کے خاطر اپنا سب کچھ لٹا دینا اور ایثار اور قربانی کی ایک زندہ مثال بن جانا ذرہ بھر دشوار نہیں۔ ایسے انسان کے لیے جو اپنے پسینہ کی جائز کمائی کو دوسروں کی خاطر بلا خوف وخطر خرچ کر ڈالتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ دوسروں کا مال غصب یا چوری سے حاصل کرنے کی جرات کرے گا۔ اسلام نے یہ سنہری سبق روزہ کی شکل میں تلقین کیا ہے۔ اپنی حیثیت کے موافق ہر شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے اور پیئے مگر ایک مسلم محض خدا کی خوشنودی کے لیے ایک متعین وقت تک کھانے پینے سے بھی احتراز کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے لیے تمام اوقات میں بھی معاملات خورد ونوش میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے اسی طرح وہ انسان جو بیوی کی صحبت سے لطف خیز ہونے کا حقدار ہو کر ماہِ رمضان المبارک میں ارادتاً اس حق سے مجتنب رہتا ہے۔ تو اس نے حقیقت میں غیر محرموں کو شہوت آلود نظر سے نہ دیکھنے کی طاقت پیدا کر لی ہے۔ پس نماز روزہ اس سیڑھی کے پہلے درجے ہیں۔ جن پر چڑھ کر ایک مسلم اللہ تعالیٰ کی طرف صعود کرتا ہے آپ بے شک دُنیا کے نوے فیصدی جرائم پر غور کر لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان سب کا علاج پیغمبر خدا علیہ الصلوۃ والتحیہ کے ان الفاظ میں بخوبی مل جائے گا۔ ''اگر لوگ صرف ان چیزوں کے صحیح استعمال کی ذمہ داری لے لیویں۔ جو اُن کے دونوں ہونٹوں اور پاؤں کے درمیان ہیں۔ تو میں ان کے جنت میں داخل ہونے کا ذمہ دار ہوں'' اسلام روزہ کے ذریعے ایسی بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ روزہ سے مُراد صرف جسمانی صعوبتوں کو برداشت کرنا نہیں بلکہ روزہ تمام ناجائز خواہشات سے کنارہ کشی سکھلاتا ہے۔ اور اس کی اہمیت کو جتلا دینے کے لیے معین وقت تک ہمیں اپنی جائز خواہشات کی پیروی سے بھی روک دیتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قمری مہینوں میں ماہِ رمضان المبارک روزوں کا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ دُنیا کے تمام مسلمان اس مہینہ کو مقدس خیال کرتے ہیں۔ اور اس میں روزے رکھتے ہیں۔ روزوں کا حکم صرف اسلام ہی سے مختص نہیں۔ بلکہ دُنیا کے ہر مذہب نے کسی نہ کسی رنگ میں اپنے متبعین سے اس کی مشق کرائی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے اپنے زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو گو کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ مگر روزوں کے فلسفہ اور دانش کے قائل ہیں۔

اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق صرف یہ ہے کہ جہاں اسلام دوسرے مذاہب کے ساتھ بہت سی باتوں میں شریک ہے۔ وہاں وہ کچھ خاص احکام جاری کرتا ہے۔ جو اُس کے روزہ کو دیگر مذاہب عالم کے روزوں سے مُتمیّز کر دیتے ہیں اور روزوں کے مفہوم کو ''بھوکا مرنے تک'' محدود نہیں رکھتے۔ بلکہ اس میں ایسے عجائبات بھر دیتے ہیں۔ جو مفاد انسانی کے لیے ایک بڑی طاقت ہیں۔ ماہ صیام کا آغاز تمام دنیا کے مسلمانوں کی روزانہ زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اس مبارک مہینہ میں خورونوش

کا یہ طریق ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے یعنی سحری کے وقت کھانا کھالیا جاتا ہے۔ پھر غروب شمس تک کھانے پینے سے مطلق اجتناب کیا جاتا ہے۔ اور تمام مہینہ یہی دستور العمل رہتا ہے۔ دیگر مذاہب میں روزہ رکھنے کا قریب قریب یہی طریق ہے۔ مگر بعض مذاہب خاص اجناس کو ترک کرنا روزہ سمجھتے ہیں۔ مثلاً پھل وغیرہ اور ان کے رس کو جائز سمجھا جاتا ہے مگر اسلامی روزہ کھانے پینے سے مطلق پرہیز کا نام ہے۔ علاوہ ازیں اسلام چند اور احکام نافذ کرتا ہے۔ جس سے روزہ کے معنی صرف بھوکا رہنا ہی نہیں رہ جاتا۔ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ نے بارہا ارشاد فرمایا ہے کہ روزہ صرف کھانے پینے کو ترک کردینے کا نام نہیں ہے اسی طرح قرآن کریم کی واضح آیات مفہوم صوم کی تشریح کرتی ہوئی صاف بتلاتی ہیں کہ روزہ کی اصل غرض انسانی اخلاق اور روح کی تربیت ہے۔

بدی اور گناہ سے بچانے کا بہترین طریق قرآن کریم نے تجویز کیا ہے کہ انسانوں سے ماہ رمضان میں اِن چیزوں کو بھی ترک کرنے کی مشق کرائی ہے۔ جن کا استعمال دیگر اوقات میں جائز ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ پس اِس طریق سے انسان کے لیے بدی سے رُکنا آسان ہوجاتا ہے۔ کیونکہ وہ جائز اور حلال چیزوں سے بھی رکھنے پر قادر ہوچکا ہے۔ روزہ کے ایام میں انسان کو اِن تعلقات سے بھی کنارہ کشی کرنی ہوتی ہے جو زناشوئی کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ اور شہوت کے ہر قسم کے اظہار سے مجتنب رہنا ہوتا ہے پس اسلامی روزہ جس طرح پیٹ کو معین وقت تک خالی رکھنے کا نام ہے۔ اسی طرح آنکھ کان، اور دیگر جوارح کو ایک باقاعدگی اور نظام کے ماتحت کے رکھنے کا نام بھی ہے غرضیکہ ہر قسم کی جسمانی خواہش کا مغلوب ہوکر انسانی عقل کے ماتحت ہوجانا روزہ کی عبادت کی اصل غرض اور مقصد ہے۔ سُنت نبوی کے مطابق ایک مسلم نہ صرف اپنے جوارحِ عمل و تخیل کو ناجائز باتوں سے مجتنب رکھتا ہے۔ بلکہ انہیں قابل تحسین امور کے حصول میں مستعمل و مامور کرتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے کو روزہ دار کہتا ہے مگر اپنی آنکھوں کو شہوانی نظاروں سے نہیں بچاتا۔ وہ ارکان روزہ کی ہرگز ہرگز پابندی نہیں کرتا۔ ایسا ہی جو آدمی خرافات سنتا یا بکتا ہے۔ اور اس کے اعضا و جوارح افعالِ شنیعہ کے مرتکب ہوتے ہیں وہ غلط کار ہے۔ اور روزہ کے تقدس کو پائمال کرتا ہے۔ اسلام بُرے خیالات اور جذبات پر لعنت بھیجتا ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو اپنی تمام اعلیٰ و صحیح قوتوں کو جو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی تعلیم دیتا ہے یہی باعث تھا کہ رسول اکرم صلعم اپنی فطرتی طبع کریم کے باوجود ماہ رمضان میں نہایت درجہ کے حلیم الطبع و کریم النفس ہوجایا کرتے تھے۔ رمضان میں وہ سب سے بڑھ کر فیاضانہ سخاوت کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم انسانی جذبات مثل غصہ وغیرہ کے دبانے کے لیے یہی طریقہ تجویز کرتا ہے۔ ''والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔'' یعنی مسلم صادق وہی ہے جو اپنے غصّہ پر قابو رکھتا ہے۔ اور عفو سے کام لیتا ہے بے شک اللہ نیکوکاروں کو چاہتا ہے۔'' اس میں شک نہیں کہ ہمارے جذبات کا منبع ہماری مختلف فطرتی خواہشات ہیں۔ اور ان پر پورا پورا قادر ہونا ایک نہایت دشوار امر ہے۔ مگر ان کا صحیح محل استعمال بنی نوع انسا کے لیے ایک غیر معمولی اور بے حد نفع کا موجب ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ہر شخص کو حکم دیا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے غصّہ کو قابو میں رکھے۔ بلکہ اس آدمی پر جو اس کا موجب بنا ہو کچھ نہ کچھ تلطف کرنے کی مشق کرے۔ خصوصاً حالت روزہ میں مسلم کا ایسا کرنا.......... احکام روزہ کی تعمیل کا ایک جزو ہے۔ نیز اپنے مال و متاع سے مسلم کو نہایت فیاضانہ طور سے دوسروں کی حاجت براری کرنی چاہئے۔ رمضان میں تمام دیگر صفات حسنہ کو معرض عمل میں لانے کی تاکید خصوصیت کے ساتھ کی گئی ہے۔ وہ مہینہ جو اس قسم کے جود و سخا اور اعمال صالحہ میں بسر ہو۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ تمام سال کے لیے عمدہ نتائج نہ پیدا کرے۔ یہی بات انسان کی ہر دوسری قوت کے متعلق صادق

آتی ہے۔ علاوہ ازیں اگر نیکی کرنے کا شوق انسان میں مکارم اخلاق پیدا کرسکتا ہے تو روزہ جیسے نظام و باقاعدگی پر عملدرآمد لازماً محکم اخلاق پیدا کرے گا۔

بدقسمتی سے ایسے احکام جیسے روزہ وغیرہ عیسائی دُنیا میں ہمیشہ توبہ کرنے اور جسم انسانی کو باداش گناہ میں انواع واقسام کی عقوبتوں میں ڈالنے کے طریقے متصور کیے گئے ہیں۔ اور عیسائی لوگ انہیں عہد نامہ عتیق کا ایک اصول خیال کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک اس قسم کے مذہبی مسائل ایک مطلق العنان سرکش ہستی کے صحیح اور واجب احکام ہیں جو وہ عامتہ النّاس پر مذہب کے پردے میں نازل کرتا رہتا ہے اور اپنی مخلوق کو اس قسم کی تکلیف دینے سے محظوظ ہوتا ہے۔ اور چونکہ مسیحی مذہب کے مطابق انسان اس بھاری کام یعنی قانون کے بوجھ کے متحمل ہونے کے ناقابل تھا۔ اس لیے شریعت اس کے لیے ایک لعنت کا طوق بن گئی۔ لہٰذا یسوع مسیح انسانیت کو اس کے ضرر رساں اثر سے محفوظ رکھنے کے لیے مبعوث ہوا۔ ایک نہایت شدید سزا اس انسانوں کے محسن کو بھگتنی پڑی۔ تاکہ ہمیں ہر طرح کے مذموم توبہ کے طریقوں اور دیگر جسمانی تکلیفوں سے نجات دلائے۔ پس حصول نجات کے لیے اب ایک نیا عہد نامہ مترتب ہوا۔ جس پر ''خون'' نے تصدیق کی مہر ثبت کی۔ بے شک یہ دینیات کا سخت غلط مفہوم ہے۔ مذہب کی ملّت نمائی ہماری اخلاقی حالت کی اصلاح ہے۔ اگر احکام روزہ کی تعمیل جیسا کہ اسلام بیان کرتا ہے اس اصلاح کو پیدا کرتی ہے۔ تو کیا کوئی کفارہ یا شفاعت احکام روزہ کی تعمیل کی قائم مقام ہوسکتی ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی روزہ نہ تو کوئی بڑی جسمانی تکلیف ہے۔ اور نہ ہی ظالمانہ طریقہ سے بھوک سے مرنے کا نام، روزہ ایک ایسا قبیح منظر نہیں ہے جسے ایک سفاک خود مختار حاکم کی وحشی آنکھیں نظارہ گیر ہو کر مسرور ہوتی رہیں۔ یہ کسی گناہ کی شفاعت نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کسی دردناک تکلیف کو اس سے واسطہ ہے، روزہ ہمارے اخلاق کی اصلاح کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اور انسان کے لیے ایک ارفع اخلاقی نصب العین۔ کیا ہم سب اس امر سے واقف نہیں ہیں کہ روزہ ہمیں صبر واستقلال جیسے وقت پر کام آنے والے اسلحہ سے مسلح کرتا ہے؟ اگر ہم عزم کار کو انسان میں سب سے بڑھی ہوئی اخلاقی صفت قرار دیتے ہیں۔ تو ہر صحیح الاصول مذہب کا یہ بہت بڑا فرض ہے کہ وہ اس صفت کو صرف ہمارے دماغ و تخیل تک ہی محدود نہ رکھے۔ بلکہ اس کے حصول کے لیے جو ممکن طریقے ہوسکتے ہیں ان سے آگاہ کرے۔ اسلام نے صرف دُنیا کو یہی نہیں بتلایا کہ انکسار اور شرافت دو اعلیٰ صفات ہیں۔ بلکہ اس نے ہمیں وہ اصول بھی سکھلائے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے ہم ان صفات کے مالک ہوسکتے ہیں۔ روزہ کو اسلام نے ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ حدیث شریف ہے۔ الصوم نصف الصبر یعنی روزہ نصف صبر ہے۔

میں کہتا ہوں۔ اگر روزہ کی تعریف کو صرف کھانے پینے سے اجتناب ہی تک محدود رکھا جائے۔ تو بھی کوئی شخص اس مفید اور قیمتی عبادت کی اہمیت کا انکار نہیں کرسکتا۔ تمام دُنیا جانتی ہے کہ وہ لوگ جو دستر خوان کی انواع واقسا کی نعمتوں اور اکل وشرب کی مختلف شکلوں کی خاطر اپنا تمام متاع انسانی بیچ چکے ہیں کس قدر ڈاکٹروں اور طبیبوں کے منت گزار رہتے ہیں۔ اور کس کس جسمانی عوارض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے روزہ اِکسیر کا حکم رکھتا ہے علاوہ ازیں پیٹو انسانوں میں خطرناک طور پر سفلی جذبات مشتعل ہوتے ہیں۔ اور انہیں مختلف قسم کی برائیوں کی طرف مائل کرتے رہتے ہیں۔ جن سے ایک پاکیزہ خصال اِنسان بدی کی طرف طبعاً مائل نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے۔ اور یقیناً صحیح ہے۔ تو کیا پیغمبر خدا صلعم کے یہ الفاظ صداقت اور راستی کا ایک دفتر نہیں ہیں؟ کہ ماہ رمضان میں تمام شیطان مقیّد ہوجاتے ہیں۔

☆☆☆

روزہ تمام انبیاء اور صلحاء کی آزمودہ عبادت ہے

حضرت مولانا صدر الدین صاحب

یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون o

اِس آیت میں چار مضمون ہیں پہلا مضمون یہ ہے کہ یایھا الذین امنوا. اے ہمارے دوستو! جنہوں نے ہمیں مان لیا ہے اور جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے ہو ہم تم سے ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔ یہ پہلا حصہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمیں قوم کو، جماعت کو کسی فرد کو بیٹے کو اور بیٹی کو کس طرح مخاطب کرنا چاہیے۔ دیکھئے خدا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ اور اپنی ذات میں غنی ہے۔ کوئی حاجت نہیں رکھتا۔ باوجود اِس شان وشوکت اور کبریائی کے ہمیں یوں مخاطب فرماتا ہے کہ اے ہماری ہستی کے ماننے والو اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے والو! یہ فرما کر زمین وآسمان کے بادشاہ نے ہم عاجز بندوں سے تعلق جوڑا ہے۔ پھر ایک بات کہی ہے:

وہ بات یہ ہے: **کتب علیکم الصیام.** ہم نے روزے رکھنا تم پر فرض قرار دیا ہے۔ یہ عبادت شاقہ ہے۔ اس میں مشقت ہے۔ اس کو نرم کرنے اور بندوں کو تیار کرنے کے لیے اپنا تعلق جتلاتا ہے کہ ہمارا تمہارا تعلق ہے۔ ہم بادشاہ ہیں۔ تم مخلوق ہو اور مربوب ہو۔ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہاری معیشت کے وہ سامان پیدا کیے ہیں جو تمہارے جسموں کے لیے ضروری ہیں۔ ہم تمہاری روحانی تربیت کے لیے ایک بات کہتے ہیں۔ بظاہر اس کے اندر مشقت نظر آتی ہے لیکن یہ نہایت مفید ہے اور اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

کما کتب علی الذین من قبلکم. تم سے پہلے جس قدر انبیاء آئے اور جس قدر قوموں کے رہنما پیدا ہوئے ان سب نے روزے رکھے ہیں۔ اور اس عبادت شاقہ کا تجربہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کو مفید پایا ہے ہمیشہ تجربہ شدہ چیز پر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ ہمارے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔

میرے دیکھنے کی بات ہے۔ ڈاکٹر ایک ننھے سے بچے کو ٹیکا لگا رہا تھا۔ وہ روتا اور چلاتا تھا۔ مگر ڈاکٹر نے اس کی پرواہ نہ کی اور ٹیکا لگا دیا۔ اس کو دلاسا دیا کہ ڈرو نہیں اس سے تکلیف نہیں ہوگی تمہیں آرام ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ تجربہ شدہ چیز پر عمل کرنے کے لیے انسان تیار ہو جاتا ہے اگر چہ وہ کسی قدر ناگوار یا تھوڑی سی تکلیف کا موجب ہو یہی بات روزہ کے متعلق فرمائی کہ روزہ اور اس کی افادیت تجربہ شدہ ہے۔

اقوامِ سابقہ کے تمام انبیاء اور پیشرؤوں نے روزے رکھے ہیں۔ اس کی افادیت یہ ہے کہ اس سے قرب الٰہی میسر آتا ہے۔ فرمایا کہ اسی افادیت کی وجہ سے تم پر روزے رکھنا فرض قرار دیئے ہیں لعلکم تتقون تم اس سے متقی ہو جاؤ گے۔ یعنی خائف خدا اور خادم مخلوق بن جاؤ گے۔

قرآن کریم بار بار اور کئی رنگوں میں بیان فرماتا ہے کہ اسلام دین واحد ہے جس کی تلقین تمام انبیاء نے کی ہے ایک جگہ فرمایا: مصدق لما بین ایدیھم اور فرمایا ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم وایا کم ان اتقوا اللّٰہ. ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی جنہیں کتاب دی گئی وصیت کی تھی اور یہی

وصیت تمہیں بھی کی ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور فرمایا ولقد اوحینا الیک کما او حینا الیٰ نوح والنبیّن من بعدہ۔ اسی طرح کما کتب علی الذین من قبلکم میں یہی ظاہر فرمایا ہے روزہ رکھنا ہر نبی نے سکھایا ہے۔ غرض اصولِ دین ایک سا ہے اور دینِ اسلام انہی چیزوں کی تلقین کرتا ہے جن کی تلقین پہلے انبیاء کرام نے کی ہے۔

روزہ کی غرض کیا ہے؟ بغیر غرض کے کوئی بادشاہ حکم جاری نہیں کرتا۔ روزہ کی غرض ہے لعلکم تتقون۔ ہم تقویٰ کی راہ سکھانا چاہتے ہیں۔ تم یہ یقین کر کے کہ خدا ہم کو ہر جگہ اور ہر وقت دیکھتا ہے اس کے حکم سے کھانا پینا چھوڑ دیتے ہو۔ سردی کے موسم میں سارا دن چائے تک نہیں پیتے۔ گرمی کے موسم میں برف کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ سوڈا واٹر لیمونیڈ۔ ٹھنڈا پانی بھی استعمال نہیں کرتے کیونکہ یقین ہے کہ خدا دیکھتا ہے۔ چھ سات سال کے بچے جب روزہ رکھتے ہیں۔ ماں باپ کو عصر کے وقت فکر ہو جاتی ہے کہ بچہ بھوکا نہ رہے۔ کچھ کھا پی لے۔ پیسے دیتے ہیں کہ جاؤ بازار کی سیر کر آؤ۔ مگر وہ کچھ خرید کر کھانے پینے کے بغیر پیسے واپس لے آتا ہے۔ وہ روزہ کو توڑ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اسی یقین سے قربِ الٰہی میسر آتا ہے۔

انسان کی کچھ خواہشات، کچھ ضروریات ہیں۔ اور کچھ حیوانی خواہشات ہیں۔ لیکن روزہ میں خدا کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے وہ اپنی تمام خواہشات کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اور حلال طیب چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ مہینہ بھر یہ مشق کی جاتی ہے کہ خدا کے حکم سے فلاں وقت سحری کھاؤ اور فلاں وقت افطار کرو۔ مہینے بھر کی مشقت سے ایمان و عمل کے نقوش دل پر ثبت ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنے سے تقویٰ کا سبق اچھی طرح سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ انسان کے دل میں یہ نقش پکا ہو جائے کہ خدا کا قرب کرنے کے لیے اس کے حکم کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ اور جس بات سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے رکنا ہے۔ ان لایراک مولاک حیث لھاک، تقویٰ یہ ہے کہ تمہارا خدا تمہیں وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اُس نے منع کیا ہے۔ اس مجلس میں نہ جائے جہاں جانے سے خدا کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہے۔ یعنی تقویٰ خدا کی رضا حاصل کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے اجتناب کرنے کو کہتا ہے۔ ڈاکٹر اور طبیب کہتے ہیں کہ فلاں چیز نہ کھاؤ۔ اس لیے وہ مضر ہے تو ہم اس سے اجتناب کرتے ہیں اور ہمارا مولیٰ کہتا ہے کہ گناہ کی زندگی سے کنارہ کش رہو کیونکہ اس سے صحت برباد ہوتی ہے۔ روپیہ ضائع ہوتا ہے اور عزت برباد ہو جاتی ہے۔

روزہ کا مقصد بڑا بلند ہے۔ اس سے بدیوں اور برائیوں سے انسان بچ جاتا ہے۔ اس کو طہارت و تزکیہ حاصل ہوتا ہے جس سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ سابقہ اقوام کے انبیاء نے بھی روزہ رکھا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی روزے رکھے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راتوں کو خدا کے حضور میں قیام فرمایا۔ ساری عمر آپ نے قیام فرمایا۔ جب نادار تھے تب بھی روزے رکھتے تھے۔ رات کو اُٹھتے اور اپنا وقت ذکر الٰہی میں گزارتے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب آپؐ بادشاہ ہو گئے۔ عام طور پر یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کو بادشاہت یا کوئی بڑا عہدہ و اقتدار مل جائے تو وہ غافل اور آرام طلب ہو جاتا ہے خدا کو بھول جاتا ہے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر آخری دن تک تہجد پڑھتے رہے اور اس قدر لمبا قیام فرماتے کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میرے یہاں قیام کیا۔ پچھلی رات اُٹھے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ فجعل یبکی اور سجدہ میں رونا شروع کر دیا۔ پھر قیام کیا۔ اور پھر سجدہ میں رونے لگ گئے۔ یہاں تک کہ زمین آپ کے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ ظاہر ہوا کہ آپؐ بادشاہ ہو کر بھی عباداتِ الٰہی سے غافل نہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا جہان کے بادشاہوں کے لیے نمونہ ہیں۔ حضورؐ کے نقش قدم

پر چل کرامت میں اولیاؒ، مجددؒ، غوثؒ وقطبؒ پیدا ہوئے۔

اس زمانہ کے مجدد صد چہاردہم نے بھی روزے رکھے ہیں۔ راتوں کو جاگے ہیں۔ قیام فرمایا ہے۔ ذکر الٰہی میں مصروف رہے ہیں۔ حضرت صاحب نے ریاضت کی ہے۔ روزے رکھے ہیں عبادت کی ہے۔ اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی ہے۔ تمام صلحاء امت نے ریاضتیں کی ہیں روزے رکھے ہیں۔ اس ریاضت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ ہم تمہیں مشقت کی زندگی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ضروری سمجھتے ہیں اگر تم پارس اور سونا بننا چاہتے ہو تو گناہ کی زندگی ختم کر کے روزہ کی مشقت اُٹھاؤ۔

دُعا کیوں کی جاتی ہے؟ سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہر ایک مقدر میں قانون قدیم یہی ہے کہ اگر چہ اُس نے ہر امر کے بارے میں جو انسان کے مقسوم میں ہے اسی کا حاصل ہونا مقدر کر دیا ہے لیکن اس کے حاصل کرنے کے طریق بھی ساتھ ہی رکھے ہیں اور قانونِ الٰہی تمام اشیاء میں جاری اور ساری ہے۔ جو شخص مثلاً پیاس بجھانا چاہے اُس کو لازم پڑا ہوا ہے کہ پانی پیئے۔ اور جو شخص روشنی کو ڈھونڈھتا ہے اس کو مناسب حال یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے آئے اور اندھیر کوٹھری میں بیٹھا نہ رہے۔ اسی طرح دُعا اور صدقات اور خیرات اور دیگر اعمالِ صالحہ کو شرط حصول مرادات ٹھہرا رکھا ہے اور جیسے ابتداء سے کسی چیز کا حصول مقدر ہوتا ہے ساتھ ہی اُس کے یہ بھی مقدر ہوتا ہے کہ وہ دُعا یا صدقہ وغیرہ بجالائے گا۔ تو وہ چیز اس کو حاصل ہوگی۔ پس جس شخص کا مطلب روزِ ازل میں دُعا پر موقوف کر رکھا ہے سو اگر تقدیر مبرم اس کے حق میں یہ ہے کہ اس کا مطلب حاصل ہو جائے گا تو ساتھ ہی اُس کے حق میں یہ بھی تقدیر مبرم ہے کہ وہ دُعا بھی ضرور کرے گا اور ممکن نہیں کہ وہ دُعا سے رُک جائے تقدیر مبرم پوری ہو کر رہے گی اور بہر حال اس کو دُعا کرنی پڑے گی۔ اور دُعا میں ضرور نہیں کہ صرف زبان ہی سے کرے بلکہ دُعا دل کی اس عاجزانہ اِلتجا کا نام ہے کہ جب دل نہایت ہی بے قرار اور مضطرب ہو کر رو بخدا ہو جاتا ہے اور جس بلا کو آپ دُور نہیں کر سکتا اس کا دور ہونا طاقت الوہیّت سے چاہتا ہے۔ پس حقیقت میں دُعا انسان کے لیے ایک طبعی امر ہے۔ جو اُس کی سرشت میں ہے۔ یہاں تک کہ شیر خوار بچہ بھی اپنی گرسنگی کی حالت میں گریہ وزاری سے اپنا انداز ایسا بنا لیتا ہے کہ جس کو عین دُعا کی حالت کہنا ہے۔ غرض بذریعہ دُعا کے خدا سے مدد ڈھونڈنا کوئی بناوٹ کی بات نہیں بلکہ یہ فطرتی امر ہے اور قوانین متعینہ، مقررہ میں سے ہے جو شخص دُعا کی توفیق دیا جاتا ہے اس کے حق میں قبولیت اور اجابت بھی مقدر ہوتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ اسی صورت میں اجابت ہو کیونکہ ممکن ہے کہ انسان کسی مطلوب کے مانگنے میں غلطی کرے۔ جیسے بچہ کبھی سانپ کو پکڑنا چاہتا ہے اور والدہ ہر بات جانتی ہے کہ سانپ کو پکڑنے میں اس کی ہلاکت ہے پس وہ بجائے سانپ کے کوئی خوبصورت کھلونا اس کو دے دیتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دُعا کا مانگنا مقدرات ازلیہ میں سے ہے اور اِسی جہت سے انسان بالطبع نزول حوادث کے وقت دُعا کی طرف جھک جاتا ہے۔ اور عارفین کا ذاتی تجربہ ہے کہ جو دُعا مانگتا ہے اس کو ملتا ہے۔ ہر ایک زمانہ میں خدا کے مقبولین کی دُعا کے ذریعہ سے عجیب طوروں پر مشکل کشائیاں کی ہیں اور اپنے فضلوں کو منکشف کیا ہے۔ بعض لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ حکیم مطلق نے مقدر کیا ہوتا ہے کہ بہت سے اہل حاجات ان کی دُعاؤں سے اپنے مطلب کو پہنچ گئے۔ سو اہل حاجات اس شخص مستجاب الدعوات کو آملتے ہیں۔ اور امر مقدر پورا ہو جاتا ہے سو مستجاب الدعوات کی طرف جھکنا ایک نیک فال ہے۔ کیونکہ غالباً جو شخص مستجاب الدعوات کی طرف آیا ہے اور اس کی طرف میل کرنا اس کو توفیق دیا گیا ہے۔ وہ انہی لوگوں میں سے ہوگا کہ جن کے حق میں قلم ازلی نے کامیاب ہونا اس کی دُعا سے لکھا ہے۔ مگر یہ بات نہیں کہ جو مستجاب الدعوات مانگتا ہے۔ وہ بعینہٖ پورا ہو جائے۔

☆☆☆

رمضان المبارک اور قرآن مجید

زینب نقوی

ماہ رمضان المبارک سے قرآن مجید کا گہرا تعلق ہے۔اس لیے کہ رمضان المبارک ہی کے بابرکت مہینے کو نزول قرآن کا شرف حاصل ہے۔

قرآن ومقدس کتاب ہدایت ہے جو پروردگار نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً ۲۳ سال کے عرصے میں وقتاً فوقتاً نازل کی۔ یہ کتاب پوری انسانیت کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے اور یہ خداوند عالم کی جانب سے انسانوں کے لیے عظیم ترین تحفہ ہے جو سعادت جاودانی کی طرف ان کی ہدایت کرتا ہے۔قرآن مجید میں دُعائیں بہت ہیں، لیکن کچھ دُعائیں خاص ہیں۔جیسے سورہ رحمٰن کی ابتدائی چار آیات میں عظمتِ قرآن کو ایک منفرد اور اچھوتے انداز سے بیان کیا گیا۔ پہلی آیت صرف ایک لفظ ''الرحمٰن'' پر مشتمل ہے۔قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام مذکور ہیں مگر ان ناموں میں سب سے پیارا و محبوب نام ''اللہ'' ہے جب کہ اس کے قریب ترین نام ''رحمٰن'' ہے۔اہل عرب ''اللہ'' کے نام سے آشنا تھے لیکن قرآن مجید میں جب دوسرے ناموں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام ''رحمٰن'' بار بار آیا تو عربوں نے اس نام پر اعتراض کیا اور کہا یہ ''رحمٰن'' کون ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے خود رب العالمین نے فرمایا: چاہے ''اللہ'' کہہ کر پکارو یا ''رحمٰن'' کہہ کر۔ سب اچھے نام اسی کے ہیں۔''الرحمٰن'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جس کی صفت رحمت ہی سے دو نام ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' بنے ہیں۔

رحمت وہ واحد رحمانی و ربانی وصف ہے جس سے دو مختلف نام بیان ہوئے ہیں۔ان دوناموں سے رحمت خداوندی کی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔''رحیم'' کی صفت میں رحمت خداوندی کے تسلسل، دوام، پائیداری اور سکون کو بیان کیا گیا ہے جب کہ لفظ رحمٰن سے رحمت خداوندی کی شان ایک ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح سامنے آتی ہے۔اسی شان رحمانیت کے بارے میں فرمایا: ''الرحمٰن علم القرآن'' اس رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔ یہاں قرآن مجید کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے حوالے سے ہو رہا ہے جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح ہر دم موجزن ہے۔اسی رحمت خداوندی نے انسانوں کو قرآن کی تعلیم سے بہرہ مند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب کچھ سکھایا۔ انسان کے پاس جو صلاحیت اور علم ہے وہ سب خالق و مالک کا عطا کردہ ہے۔ وہ علم خواہ جبلی ہو یا فطری اس کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہی ہے ہمیں سبھی کچھ اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے، لیکن ان میں سب سے چوٹی کی چیز تعلیم قرآن ہے۔تعلیم قرآن کے بعد انسان کی تخلیق کو بیان کیا گیا ہے۔

''خلق الانسان'' اس مقام پر وہی بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انسان ہی کی تخلیق نہیں فرمائی بلکہ شجر و حجر، چرند و پرند، نباتات و جمادات، چاند اور سورج، جن و فرشتے غرض جملہ مخلوقات اسی تخلیق ہیں مگر یہ حقیقت کتنی اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نقطۂ عروج یعنی کمال ''انسان'' ہی ہے جیسے ''احسن

تقویم'' کا بلند ترین مقام حاصل ہے۔ آج کا جدید مادی اور سائنسی علم بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ جملہ مخلوقات میں سب سے پہلے جمادات آتے ہیں۔ جمادات کے بعد اور نباتات کے بعد حیوانات کا نمبر آتا ہے۔ حیوانات کے بعد ''انسان'' کا مقام آتا ہے جو قدرت کاملہ کی تخلیق کا نقطۂ عروج ہے۔ اس طرح سورہ الفاتحہ، دُعا اور دُعا کی کچھ شرائط پر مشتمل ہے یہ کہ خدا ساری کائنات کا پروردگار ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ صفت رحمانیت میں کامل ہے۔ سب ہی اس کی رحمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ رحیم ہے، آخرت میں اس کی رحمت سے صرف مومنین مستفید ہوں گے۔ چوتھے یہ کہ وہ روزِ جزا کا مالک ہے۔ اس روز تمام امور اسی کے قبضہ قدرت میں ہوں گے۔ ان اوصاف کا ذکر کرنے کے بعد اپنی عبودیت و بندگی کا اظہار ہے اور یہ کہ صرف وہی عبادت کا مستحق اور مدد مانگنے کے لائق ہے کیوں کہ صرف وہی غنی مطلق ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اس کے بعد دُعا شروع ہوتی ہے، دوسرے مومنین کو دُعا میں شریک کرکے بہترین بندے قرار دیا ہے۔ ان لوگوں سے دور رہنے کی دُعا بھی ہے جو پروردگار کے غضب کا نشانہ بنے اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

اے میرے پروردگار ہمیں دُنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں بچالے۔ (سورہ البقرہ)

یہ آیت دُنیا و آخرت کی بھلائیوں کا سارا رمزا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ خداوند عالم نے اس طرح کی دُعا کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ ایسے لوگوں کے اپنی کمائی کے مطابق دونوں جہاں میں حصّہ ہے، خدا بڑی جلد حساب چکانے والا ہے۔

☆☆☆

روز محشر میں مسلک نہیں پوچھا جائے گا

مجیب بستوی

آج کل مسلمانوں میں دینی بیداری پہلے کی بہ نسبت زیادہ پائی جاتی ہے یعنی لوگ دین سے زیادہ قریب ہو رہے ہیں مگر علمائے کرام انہیں اسلام کی تعلیم دینے کے بجائے مسلک کی تعلیم دیتے ہیں یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں مسلک نہیں پوچھا جائے گا وہاں صرف اعمال کی جانچ ہوگی۔ ہمارے علماء حضرات عوام کو مسلک میں پھنسا کر اپنی چرب زبانی سے صرف اپنے مسلک کو اچھا اور دوسرے کے مسلک کو گمراہ بددین وغیرہ کہتے ہیں۔ جب کہ ان عالموں کو خود نہیں معلوم ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟ اپنی بخشش بھی نہیں کرا سکتے دوسروں کو کیا بخشوائیں گے۔ میں دیکھتا ہوں لوگ اندھی تقلید کرتے ہیں اور اپنے علماء کی غلطیوں کو درگزر کرتے رہتے ہیں اور یہی گمراہی ہے۔ صحابہ کرامؓ اپنے خلیفہ کی پیروی کرتے تھے مگر کوئی کمی دیکھتے تو بر سر ممبر ٹوک دیتے تھے۔ انہیں جواب مل جاتا تو مطمئن ہو جاتے مگر آج کل علماء تقریر میں بڑی لمبی چوڑی باتیں بیان کریں گے، دوسرے مسلک کے لوگوں کا نام لے کر برا بھلا کہیں گے۔ ایسا معلوم ہوگا کہ جنت کے ٹھیکیدار ہیں انہیں کا مسلک اچھا ہے جاہل عوام ان کی زوردار تقریر سن کر داد و تحسین کے کلمات بلند کرنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔ کوئی عالم دوسرے مسلک کے خلاف جی بھر کے الٹا سیدھا کہہ کر نذرانہ لے کر چلا جائے گا تو دوسرا عالم اس کے جواب میں بلایا جائے گا وہ بھی خود دل کھول کر دوسروں کے اسلاف کو برا بھلا کہہ کر نذرانہ لے کر چلا جائے گا۔ میرا امت مسلمہ سے سوال ہے کہ تمہیں ایسی تقریروں سے کیا فائدہ ہوا۔ تم لوگوں نے سرمایہ اکٹھا کرکے جلسہ کرایا اور علماء کو خوف منھ مانگی رقم بھی دی مگر اس سے ثواب نہیں ملے گا بلکہ گناہ ہوگا۔ اس لیے ایسے علماء کو بلایئے جو خود بھی دین دار ہوں نیک ہوں ان کا لباس ان کی صورت و سیرت سرکار مدینہؐ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے علماء کو بھی صالح بنائے، آمین!

☆☆☆

روزہ اور اس کا نفسیاتی تجزیہ

حامد الوارثی صاحب لائلپوری

روزہ اسلام کا دوسرا اہم ترین رُکن ہے۔ جس کا تارک گنہگار اور منکر بالاجماع کافر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الصوم نصف الصبر اور دوسری روایت میں فرمایا ہے۔ الصبر نصف الایمان اس لحاظ سے روزہ ایمان کا چوتھائی ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول اس باب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ سب نیکیاں دس گنے ثواب سے سات سو گنے تک ہوں گی۔ مگر روزہ رکھنا کہ وہ خاص میرے واسطے ہے۔ اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ اس خاصیت کے سبب تمام ارکانِ اسلام پر روزے کو فوقیت ہے۔ اس کی فضیلت میں یہی جاننا کافی ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کی قبضہ میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک زیادہ اچھی ہے مُشک کی خوشبو سے ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جنت کا ایک دروازہ باب الریان ہے۔ اس میں بجز روزہ دار کے اور کوئی نہ جائے گا۔ اور روزہ دار کو اس کے روزہ کے عوض اللہ تعالیٰ کے دیدار کا وعدہ ہو چکا ہے۔ نیز صحیحین میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں۔ ایک افطار کے وقت اور ایک ربّ کے دیدار کے وقت۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے۔ تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں (ترمذی، ابن ماجہ، اور مستدرک حاکم)

روزے کے متعلق یہ کتنی لطیف حقیقت ہے کہ روزہ دار دن بھر اپنا کام کرتا رہتا ہے کوئی ہل جوت رہا ہے کوئی ڈھور چرا رہا ہے تو کوئی تجارت میں لگا ہوا ہے کوئی مزدوری کر رہا ہے اور کوئی پڑھنے لکھنے میں مصروف ہے مگر ہے قیام فرض میں کیوں کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ کتب علیکم الصیام۔ یعنی روزے میں نے تم پر فرض کر دئے ہیں۔ سبحان اللہ کام اپنے کیے جاؤ اور ثواب سارا دن عبادت کا ملے گا۔ اور وہ بھی فرض عبادت کا۔

بعض ظاہری اہلِ علم احادیث مقدسہ پر خواہ مخواہ اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں کہ اگر شیاطین بند کر دئے جاتے ہیں تو پھر گناہوں کا صدور کیوں ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ ہماری پست اور محدود عقل۔ شریعت مطہرہ کے ارفع اور اعلیٰ اور لامحدود اسرار و غوامض کو نہیں پاسکتی۔ دوسرے احادیثِ نبوی مثل خواب کے ہیں خواب کے الفاظ کچھ اور ہوتے ہیں اور خواب کی تعبیر کچھ اور مولانا فرماتے ہیں ۔

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے
فخرِ رازیؒ راز دار دیں بُدے

یا جیسا کہ دُنیا کو جسر یعنی پُل فرمادیا گیا ہے۔ اور ایک دوسری جگہ السن ینا سجن کے الفاظ آئے ہیں۔ تو دُنیا حقیقتاً نہ پُل ہے اور نہ جیل خانہ۔ البتہ حدیث میں معنوی طور پر یہ دونوں لفظ دُنیا کی حقیقت پر خوب چسپاں ہوتے ہیں اور بہترین ترجمانی کرتے ہیں۔ ورنہ شیطان کوئی مادی مخلوق نہیں۔ اور نہ خدا کا قید خانہ اینٹوں اور گارے سے بنا ہوا ہے۔ سبب الاسباب کو اسباب کی کیا حاجت ہاں جس طرح آنے والے مادی اور مرئی حادثات، خواب میں نظر آجاتے ہیں ٹھیک اسی طرح اہلِ باطن کو غیر مرئی مخلوق کا مقید مکشوف ہونا کوئی محال اور مستبعد امر نہیں ہے بلکہ قرین حقیقت ہے۔

نظر وہ ہے کہ جو کون ومکان کے پار ہو جائے
مگر جب رُوئے تاباں پر پڑے بیکار ہو جائے

روزہ کا حقیقی مفہوم اعضاء کو شہوات سے روکنا ہے۔ اسی لیے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بعض روزہ داروں کو سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" نیز روزہ خدا کے دشمن (ابلیس) پر دباؤ ڈالتا اور غالب ہوتا ہے، کیونکہ شیطانی وسوسوں کا وسیلہ شہوات ہیں، جو کھانے اور پینے سے قوی ہوتے ہیں۔ ہمیں وجہ آنحضرت صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "شیطان آدمی کے خون کے چلنے کی جگہوں میں پھرتا ہے۔ پس اس کے راستوں کو بھوک سے تنگ کرو" اور چونکہ دشمنِ خدا کی بیخ کنی میں خدائے تعالیٰ کی نصرت ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے کو مدد کرنا اسباب پر موقوف ہے کہ بندہ اُس کی نصرت کرے۔ جیسا کہ پروردگار عالم جلّ وعلیٰ کا ارشاد ہے **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا**۔ شہوات کو توڑنے کا حکم اس لیے ہے کہ شہوات شیاطین کی چراگاہیں ہیں۔ پس جب تک ہر بھری رہیں گی اُن کی آمد ورفت موقوف نہ ہوگی۔ اور اس حالت میں بندے پر خدا کا جلال ظاہر نہ ہوگا اور اُس کی بقا سے محجوب رہے گا۔ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اگر بندوں کے دلوں پر شیاطین دورہ نہ کرتے۔ تو وہ آسمان کے ملکوت کو دیکھنے لگتے۔" پس جو لوگ رمضان المبارک میں جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ روزہ رکھ کر بھی روزہ داروں میں شمار نہیں ہوتے۔ اور اکثر تو افطاری کے وقت قسم قسم کے مرغوب اور عادت سے زیادہ کھانوں کا انتظام کرتے ہیں۔ یعنی ایک وقت جس میں کھانے سے رُکے تھے اس کا اور دوسرے وقت کا کھانا ملا کر کھا جاتے ہیں۔ جس سے روزے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ روزہ کا مقصود تو یہ تھا کہ "بھوک سے شیطانوں کے راستوں کو تنگ کرو" اور یہ اُلٹی قوی غذاؤں کو استعمال کرکے ان کی راہوں کو کشادہ کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں روزہ توڑ دیتی ہیں جھوٹ، چغلی، غیبت، جھوٹی قسم، اور شہوت سے دیکھنا۔ پس جو لوگ ماسوئے اللہ سے منہ موڑ کر خالصتہً خدا کے ہو جاتے ہیں۔ اور لازم وشرائط صوم کی پوری نگہداشت کرکے وصول حق کے مرتبہ جلیلہ پر پہنچ جاتے ہیں وہ شیاطین کی دستبرد سے قطعی اور یقینی طور پر محفوظ ومصئون ہو جاتے ہیں۔ اور جو شیطانی صفات کو اپناتے ہیں۔ وہ بذاتہ شیطانی رنگ میں رنگین ہو کر رہ جاتے ہیں۔ انہیں ورغلانے کی ابلیس کو ضرورت ہی نہیں ہوتی اسی لیے شیطانوں کو بند کردئے جانے والی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

"پس اے طالب خیر بڑھ اور اے طالب شر۔ بس کر۔

جب تک پوری پوری حدیث یاد نہ ہو۔ حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ اَب پڑھئے:

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

یعنی نورحق کی جگہ ظلمت باطل کا کیا کام، اور اجتماعِ ضدین یوں بھی امرِ محال ہے۔ (احیاء العلوم)

دوسرے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت صمدیّت ہے یعنی بھوک اور پیاس کا نہ ہونا۔ خدا کے اس رنگ کو اختیار کرنا۔ اور شہوات سے رُکنے میں ملائکہ مقربین کی اقتداء کرنا ہے اور بہائم (چوپایوں) کے اُوپر واقع ہوئی ہے اگر فرشتوں کی سی صفات اختیار کرے تو اعلیٰ علیین پر فائز ہو جاتا ہے اور اگر بہائم کی صفات کو اپنا لے تو اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا کہ "بعض روزہ دار افطار کرنے والے ہیں اور بعض افطار کرے والے روزہ دار ہوتے ہیں۔ افطار کرنے والے روزہ دار ہیں جو اپنے اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھ کر کھاتے پیتے ہیں۔ اور روزہ دار افطار کرنے والے وہ ہیں جو کانا تو ترک کردیتے ہیں مگر گناہوں سے نہیں بچتے۔ پس ہر انعام کے مستحق مطیع اور فرمانبردار ہی ہو سکتے ہیں شیطان کا مقید ہونا مومنون کے لیے خوشخبری ہے جو خود شیطان یا شیطان کے ایجنٹ بن جائیں۔ اُن کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ قطعہ

صائم اگر ہیں دن کو تو قائم ہیں رات کو
لمعاتِ نور بن گئے لمحاتِ صبح و شام
حامد عطا و لطفِ حبیب خدا پرس
برامتش عفوبتِ دوزخ شدہ حرام

☆☆☆

نماز اور جدید میڈیکل سائنس

محمد انور بن اختر

جدید میڈیکل سائنس کے مطابق پانچوں وقت ادا کی جانے والی نماز کے ذریعے جو ایکسر سائز ہوتی ہے وہ کئی معنوں میں انسانی جسم اور اعضا کے لیے بہترین ہے اور پانچ وقت باقاعدگی سے نماز پڑھنے سے صحت وتندرستی بنی رہتی ہے، انسان چست درست رہتا ہے اور متعدد بیماریوں سے دور رہتا ہے نماز کے فوائد ملاحظہ ہو!

ہاتھوں کا کانوں تک اٹھانا

جدید تحقیق کے مطابق جب ہم نماز میں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے ہیں تو بازوؤں، گردن کے پٹھوں اور شانے کے پٹھوں کی ورزش ہوتی ہے۔ دل کے مریض کے لیے ایسی ورزش بہت مفید ہوتی ہیں۔ جو کہ نماز پڑھنے سے خود بخود ہو جاتی ہے اور یہ ورزش فالج کے خطرات سے محفوظ رکھتی ہے۔

نماز میں قیام کرنا

نماز میں قیام سے دل کا بار ہلکا ہو جاتا ہے کیونکہ وزن دونوں پاؤں پر متوازن پڑتا ہے اور آنکھیں سجدہ گاہ پر لگی رہنے سے دل کی یکسوئی سہل ہو جاتی ہے۔ انسان میں قوت مدافعت اور اعصاب میں توانائی پیدا ہوتی ہے۔

نماز میں رکوع کرنا

رکوع سے کمر درد یا ایسے مریض جن کے حرام مغز میں ورم ہو گیا ہو، بہت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ نیز رکوع سے گردوں میں پتھری بننے کا عمل سست پڑ جاتا ہے اور اگر پتھری بن گئی ہو تو رکوع کی حرکت سے بہت جلد نکل جاتی ہے۔ رکوع کے عمل سے معدہ اور آنتوں کی خرابیاں اور پیٹ کے عضلات کا ڈھیلا پن ختم ہو جاتا ہے۔

نماز میں قومہ

رکوع کی حالت میں بالائی نصف جسم میں جھٹکے کی وجہ سے زیادہ خون پمپ ہوتا ہے۔ اس طرح دوبارہ حالت قیام میں آجانے سے چہرہ اور سر کا دورانِ خون جو حالت رکوع میں بڑھ گیا، قومہ میں نارمل ہو جاتا ہے جس سے شریانوں میں لچک کی استعداد بڑھنے سے ہائی بلڈ پریشر اور فالج کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

نماز میں سجدہ

جب نمازی سجدہ کرتا ہے اُس کے دماغ کی شریانوں کی طرف خون زیادہ ہو جاتا ہے جسم کی کسی بھی پوزیشن میں خون دماغ کی طرف زیادہ نہیں جاتا۔ صرف سجدے کی حالت میں دماغ، دماغی اعصاب اور سر کے دیگر حصّوں کی طرف خون متوازن ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے دماغ اور نگاہ بہتر ہو جاتے ہیں۔

نماز میں جلسہ کرنا

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا گھٹنوں اور پنڈلیوں کو مضبوط بناتا ہے اس کے علاوہ رانوں میں جو پٹھے اللہ تعالیٰ نے نسل بڑھوتری کے بنائے ہیں ان کو خاص قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ جس سے مردانہ اور زنانہ کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں تا کہ انسان، دماغی اور جسمانی اعتبار سے صحت مند پیدا ہو۔

نماز میں سلام پھیرنا

نماز کے اختتام پر ہم سلام پھیرتے ہیں، اس عمل سے گردن کے عضلات کو طاقت ملتی ہیں اور انسان ہشاش بشاش اور توانا رہتا ہے نیز سینہ اور ہنسلی کا ڈھیلا پن ختم ہو جاتا ہے۔

ان سب باتوں کا فائدہ اس وقت پہنچتا ہے جب ہم نماز پوری توجہ، دل جمعی، پورے آداب اور سنت کے مطابق ادا کریں اور جلدی بازی سے کام نہ لیں۔

☆☆☆

اسلام کی زرّیں تعلیمات

کنتم خیر امة اخرجتْ للناس تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر و تومنون باللّٰہ.

"تم بہترین امت ہو جو انسانوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

خدا کے احکام کی کامل اطاعت اور بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لیے عمل اسلام کے وہ عظیم مقاصد ہیں۔ جو انسان کے سامنے رکھے گئے جن کی مثال انسانی افکار کی تاریخ میں ناپید ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم کی تعریف ذیل کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔"

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے:

"تم میں سے کوئی بھی ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

پس اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اسلام کو اس لیے نازل کیا کہ آپ نسلِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور وحدت نسلِ انسانی کے عقیدے پر قائم کریں۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم اسلام کی وہ چند ایک تعلیمات ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جو اسلام کو دیگر مذاہب عالم اور نظریاتِ زندگی سے ممتاز کرتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

دُنیا کے قریب قریب تمام موجودہ مذاہب خدا کی ہستی پر ایمان کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن خدا کی ذات کے متعلق ان کا تصور عام طور پر مبہم، ناقص، ناقابلِ قبول اور خلاف عقل و دانش ہے۔ اور ان میں سے بعض توحید کے منافی دو، تین یا کثیر التعداد خداؤں کو پوجنے لگے۔ اور دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو اپنے سے کمتر سمجھنے لگے۔ اس بے جا تصور سے لوگوں میں نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکتی چلی آئی ہے۔ اور اس کے زیر اثر نسلِ انسانی نہ ختم ہونے والے کشمکش کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ جس سے جذبۂ منافرت کی خلیج وسیع تر ہو چلی ہے۔ اور احساس برتری نے بنی نوعِ انسان کا سکونِ قلبی چھین لیا ہے۔ اسلام کی رُو سے اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق اور تربیت کرنے والا ہے۔ خدا کے نزدیک تمام انسان اور اقوام خدا کی بے پایاں رحمانیت اور بے بہا رحیمیت کے تحت خدا کے فیوض و برکات اور فضل و نوازشات کی یکساں مستحق ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو بلاشبہ اللہ کی نظر میں تم میں سے مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا اخبر دار ہے۔" (الحجرات ۴۹:۱۳)

چونکہ ہر نبی توحید باری تعالیٰ کو ہی پھیلاتا رہا لیکن لوگ بے جا تقلید۔ مذہبی تعصّبات نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر خالقِ حقیقی کے بجائے مخلوقِ خدا کو اپنا معبود قیاس کر بیٹھے حتیٰ کہ وہ وحدانیت کو کثرت میں بدل کر خلافِ حقیقت نظریات اپنا کر راہِ مستقیم سے ہٹ گئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے آخری نبی ہیں کہ جنہوں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی صحیح تعلیمات کو اجاگر کر دیا۔ اور غلط نظریات کی تردید فرما کر نسلِ انسانی کو خدائے واحد کے عقیدہ پر مجتمع ہونے کی دعوت دی جو تمام قدرتوں کا

مالک، کل کائنات کا خالق ربوبیت کنندہ، تمام اوصاف حسنہ کا جامع ہے۔قرآن کریم میں وحدانیت کی تعلیم یہ ہے۔

''کہہ دے اللہ واحد، بے مثل ہے۔ اللہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ خود کسی سے جنا گیا۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں۔'' (الاخلاص ۱۱۲: ۱۴)

حضورِ اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر نسل۔ رنگ اور دولت پر مبنی خود ساختہ امتیازات کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔ خود آپؐ کے قبیلہ اور اہلِ وطن نے آپ کے شدید مخالفت کی لیکن آپؐ اپنے مقصد پر چٹان کی طرح قائم رہے۔ اور جب بھی آپ کے مقابلے میں دشمنوں اور مخالفوں نے تلوار اٹھائی تو آپؐ نے مدافعانہ طور سے حکیمانہ انداز میں عربوں کا مقابلہ کر کے صدیوں پرانے انسانیت سوز اور ظالمانہ امتیازات اور نسلی غرور کو کچل ڈالا اور آپؐ کے انسانیت پرور پیغام کو آپ کے سچے پیروکاروں نے ایشا۔ افریقہ اور یورپ میں پہنچایا۔ جہاں لاکھوں غلام اور کمزور لوگ نسلی تشدد کی وجہ سے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ اسلام نے انہیں ظلم وجور سے نجات دلائی اور آج ان کی اکثریت نے اسلامی اخوت اور برادرانہ محبت کے اصولوں پر گامزن ہو کر امن ووقار کی لازوال دولت پائی۔

انسانیت کے اس محسن اعظمؐ نے انسانی اخوت کی جو روح پھونکی اس کی جھلک آج بھی اہلِ اسلام کو پنج وقتہ اجتماعی عبادت میں پائی جاتی ہے۔ جس میں اہلِ اسلام رنگ ونسل اور منصب کے امتیازات سے بلند ہو کر پہلو بہ پہلو ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر خدا کی یاد کرتے ہیں برادری اور برابری کا یہ جذبہ سالانہ اجتماع کے موقع حج پر انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔ جب کہ عرب حبشی یورپی، ترک، ایرانی، پاکستانی، ہندوستانی، ملائی، انڈونیشی، چینی، افغانی، مراکشی، الجزائری افریقی اور دیگر ممالک عالم سے مرد اور خواتین، نوجوان اور بوڑھے، غریب وامیر، عوام وخاص سیاہ وسفید وزرد نسلوں کے وحدانیت کے پرستار، ننگے سر اور پاؤں، دو سفید سوتی چادروں میں ملبوس یکساں رسوم وعبادات ادا کرتے ہیں۔ اور ان کے سینے باہمی نفرت، غرور، خودسری کینے، عناد اور بدخواہی کے غبار سے صاف ہوتے ہیں۔ اور مل کر ایک دوسرے کی بھلائی کی دُعائیں مانگتے ہیں۔ آخری حج کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اپنی امت کو ذیل کے الفاظ میں تلقین فرمائی۔

''اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے۔ جس نے تم سب کو آدم کی نسل سے پیدا کیا۔ جان لو! کہ عرب کو عجمی پر اور عجمی کو عرب پر، اسی طرح گورے کو کالے پر اور کالے کو کورے پر نسل کے لحاظ سے کوئی فضیلت نہیں تم سے خدا کی نظروں میں وہی قابلِ قدر ہے جو دوسروں سے زیادہ متقی اور نیک ہے۔''

اس پہلو سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ایک عالمگیر انسانی برادری کے بانی اور موجودہ اقوام متحدہ کے پیش رو تھے۔ لیکن جہاں آپؐ ایک حقیقی امت وودوست برادری قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ وہاں اقوام متحدہ کی ناکامی اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ اس کے اراکین کے قلوب میں کوئی ایسا ایمان کارفرما نہیں۔ جو اقوامِ متحدہ کے اغراض ومقاصد پر عمل پیرا ہونے کے لیے قائم رکھے۔

۲۔ مساوات یا اخوت نسل انسانی

اسلام کی رُو سے تخلیق عالم میں انسان کو بے نظیر مقام حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سے انسان کو تخلیق کو بہترین قرار دیا ہے۔

''ہم نے انسان کو بہترین اندازے پر پیدا کیا ہے۔'' (التین ۹۵: ۴)

اس ''احسن تقویم'' کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب (خلیفہ) مقرر کیا۔ حتیٰ کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ انسان کی فرمانبرداری کریں۔ انسانی فرائض کی کامیاب تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو اس کی فلاح و بہبود کے لیے مسخر کردیا۔ اور انسان کی فطرت میں تحقیق وتفتیش اور تجدید وتجسس کی صلاحیت رکھ دی کہ وہ اپنی جسمانی، ذہنی اور روحانی استعدادوں کی نشوونما کے لیے تمام اشیا سے استفادہ کرے ان نعمتوں کی وجہ سے انسان کا مرتبہ بلند کردیا گیا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''ہم نے بنی آدم کو عزت و وقار بخشا ہے۔'' (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰)

مگر انسان کے لیے یہ بات انتہائی افسوسناک بلکہ شرمناک ہے کہ وہ اس بلند مقام سے گر گیا اور اندھی بہری، گونگی اور بے جان مخلوق کے علاوہ اپنی سفلی پست خواہشات کا غلام بن گیا اور انہیں اپنا معبود، مسجود اور مطلوب بنالیا۔

اخوت: اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام انسان یکساں ہیں۔ اور وہ ایک مرد اور عورت آدم وحوّا سے پیدا کیے گئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حفظِ مراتب اور شرافت نیز اہلیت اور فضیلت کو بھی قائم اور برقرار رکھا ہے۔ جیسا کہ جاہل اور عالم مظلوم اور ظالم، پاک اور ناپاک، اندھا اور غیر اندھا ہوتے ہیں۔

''کہہ دے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے لوگ برابر ہو سکتے ہیں۔ صرف خالص نصیحت پکڑتے ہیں۔'' (الزمر ۳۹:۹)

''کہہ دے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے؟ کیا فکر نہیں کرتے۔'' (۵:٦)

''کہہ دے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا۔ اگرچہ تجھ کو ناپاک کی بہتات اچھی لگے پس اے صاحبان عقل اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (المائدہ ۵:۱۰۰)

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت و برتری دی اسی طرح اپنے رسولوں میں بھی ایک دوسرے پر فضیلت کو برقرار کیا۔ بایں ہمہ تمام لوگوں سے نبی رسول وہادی بزرگ و برتر اور افضل و اعلیٰ ہوتے ہیں تاہم اللہ تعالیٰ نے رنگ۔ نسل زبان کے اختلافات کو معیارِ فضیلت نہیں گردانا۔

نسل انسانی ایک ہی امت تھی (لیکن بعد میں انہوں نے اختلاف کیا) پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بشارت دینے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ صداقت بھری کتاب نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔'' (البقرہ ۲:۲۱۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بنی آدم باہم جنگوں میں الجھے ہوئے تھے اور ان میں باہمی نفرت کی اساس، نسل، رنگ اور عقیدے کے اختلافات پر تھی اور ہر جگہ خود غرض لوگ، ذاتی مطلب براری کے لیے اس نفرت اور ناچاقی کو ہوا دے رہے تھے۔ اور دہشت، تنازعات اور جنگوں کی آگ بھڑکا کر عوام الناس کو امن مذہب اور وطن کو حفاظت کے نام پر لوٹ رہے تھے۔ انسانی تاریخ کی یہ داستان انتہائی افسوسناک ہے یونانیوں اور رومیوں نے گردونواح کی کمزور قوموں کو دبالیا اور ان سے حیوانوں کا سا سلوک کیا۔ مگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مفاسد کے خلاف جدوجہد کی آپؐ نے اپنے گرد مخلص جان نثاروں کا ایک مختصر سا گروہ اکٹھا کیا جو مختلف نسلوں۔ قبیلوں اور ملکوں کے افراد پر مشتمل تھا۔ مکہ مکرمہ کے مغرور قریش۔ یمن کے سرکش۔ اوس وخزرج صحرا کے خونخوار بدو۔ حبشی، ایرانی، رومی اور دوسرے علاقوں کے کلمہ گو اخوت، محبت اور اتحاد کی اٹوٹ زنجیروں میں جکڑے گئے۔ آپؐ نے آدم کشی، افتراق، نفرت اور تاریکی کی قوتوں کو پائمال کر دیا۔ اور دس سال کی قلیل مدت میں حقیقی معنوں میں انسانی احترام، برادری اور وقار کو عرب کے طول وعرض میں قائم کر دیا۔ اور نسلی امتیازات کے تشدد کی چکی میں پسنے والی مظلوم انسانیت کے لیے لائحہ عمل پیش کر کے عدم مساوات، ناانصافی اور نسلی نفرت کی بھاری زنجیروں کو کاٹ پھینکا کیونکہ سب کے سب خدا کے قانون کی نظروں میں یکساں ہیں اور اسلامی تعلیمات نے ہر قسم کی مذہبی، سائنسی، اخلاقی اور معاشرتی میدان میں ترقی کی راہیں کھول دیں تا کہ خود جیو اور دوسروں کے جینے میں مدد کرنے کے اصول کو عام کرو۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ نسل، رنگ اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود متحدہ قومیت کا تصور موجودہ تہذیب کی رسائی سے باہر ہے۔ آخر دنیا کی موجودہ بڑی بڑی اقوام نے انسانی تعلقات کے میدان میں کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں؟ امریکہ کی دولت اور تکنیکی میدان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم

آج نسل کشمکش کے ہاتھوں پریشان ہے۔ جس کی اساس جلد کے رنگ پر ہے۔ اور وہ اِس معمولی ناانصافی کو دور کرنے سے قاصر ہے۔ مگر سب مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ اسلام میں رنگ کی بناء پر کوئی تعصب نہیں ہے۔ اور ہم رنگ، نسل اور زبان کے اختلافات کے باوجود ہر کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور دُنیا کا کوئی مذہب یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ اسلام کی طرح اخوت کی زنجیروں میں جکڑ کر مختلف گروہوں کو ایک عالمگیر برادری میں تبدیل کردے۔

لیکن یہ امر یقیناً قابل لحاظ ہے کہ اسلام میں رنگ و نسل وزبان کو کوئی امتیازی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بنیاد پر اختلافات کی کوئی حیثیت ہے تاہم علمی شرافت، عقلی بصیرت، اور فطری طہارت کے پیشِ نظر خدا تعالیٰ نے حفظِ مراتب کی خاطر اہلیت وفضیلت کو وجہِ امتیاز قرار دے کر اہلِ اسلام میں مسلم ومومن اور متقی ایسے موصوف کی اقدار میں حدّ فاصل کھینچ کر فطری صلاحیتوں کو پھولنے پھلنے کے مواقع فراہم کردئے۔ تاکہ اسلامی برادری جامد وساکت ہو کر نہ رہ جائے۔ پس اسلام میں رنگ ونسل و زبان کی تفریق نہیں ہے بلکہ علمیت و بصیرت اور طہارت کے مقتضیات کو ترجیح دی گئی ہے۔ اسی لیے اسلامی برادری میں شرف و فضیلت کا معیار خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے۔

''تحقیق اللہ کے نزدیک بزرگ ترین وہ ہے۔ جو زیادہ پرہیزگار ہے۔'' (الحجرات ۴۹:۱۳)

۳۔ عدل و انصاف

انسانی اخوت واحترام کا حقیقی اظہار بے لوث عدل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسلام کی رو سے انبیاء کی بعثت کی غرض و غایت وحدانیت باری تعالیٰ پر ایمان واقرار کے لیے تھی تاکہ اس حقیقت کے قبول کرلینے سے دنیا میں ظلم وستم اور بے انصافی کو مٹانے کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا جاسکے۔ اور انسانوں میں عدل وانصاف پر مبنی حکمرانی اسلام کے منشاء کو پورا کرنے والی ہو۔ جس کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کے لیے یکساں قوانین ہوں چنانچہ اسلام کا قانون ہی ایسا ہے۔ جو کہ رنگ ونسل وزبان کے اختلافات سے بالاتر ہو کہ انسانی اخوت واحترام کو برقرار رکھتا ہے۔ اسی لیے اہل اسلام کو تاکید ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں بھی عدل وانصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑا جائے۔

''اے ایمان والو! قائم رہو خدا (کی خوشنودی) کے لیے شہادت دینے کے انصاف کے ساتھ اور نہ ابھارے تمہیں دشمنی کسی قوم کی کہ تم انصاف نہ کرو۔'' (المائدہ ۵:۸)

اسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ ہمیشہ عدل وانصاف سے ہی کام لیں اور ہر حالت میں حق کا ساتھ دیں۔ اور حق کو ہی بلند رکھیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود عدل وانصاف کی بلند ترین مثالیں قائم کیں۔ چنانچہ ایک بار ایک قریش خاتون نے چوری کی اس کے اہلِ خاندان نے اسلام کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس بات کا بھی احساس تھا۔ ان لوگوں نے آپ کی خدمت میں سفارش کرائی کہ جرم معاف فرمایا جائے کیونکہ سزا سے خاندان کی ناک کٹ جائے گی۔ مگر آپؐ بھلا اللہ تعالیٰ کے قانون کو کیونکر توڑ سکتے تے اِس لیے فرمادیا۔ ''خدا کی قسم اگر میری بیٹی حضرت فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اسے بھی ضرور سزا دیتا۔'' یہ الگ بات ہے کہ اپنی بیٹی سے نسبت دینے سے آپ کا منشاء صرف یہ تھا کہ اللہ کے قانون کے احترام میں تقاضائے عدل وانصاف سے شدت جرم اور اس کی اہمیت لوگوں پر واضح کردی جائے اس سے اسلام میں عدل وانصاف کی بنیادی حیثیت کا پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون عدل وانصاف پر قرار دے کر انسانیت کی بہبودی کی راہ متعین کردی۔

ایک دوسرے موقع پر مدینہ کے ایک انصاری مسلمان طعمہ نے اپنے یہودی ہمسایہ پر چوری کا الزام لگایا۔ یہودی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عدل وانصاف پر یقین کامل تھا۔ پس وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر انصاف کا طالب ہوا۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہوگیا کہ قصور طعمہ کا ہی ہے۔ اور وہی سزا کا مستحق ہے۔ اس

کے قبیلہ کے لوگ معافی کے خواستگار ہوئے۔ لیکن آپؐ بے انصافی کی بری مثال ہرگز ہرگز قائم نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ان کی درخواست کو آپؐ نے ردّ فرمایا اور مجرم کو سزا دلوای گئی۔ اور اسی طرح آپؐ کے صحیح پیروکاروں نے ہر حال میں آپؐ کے بعد جب اقتدار حکومت حاصل کیا یا عام زندگی بسر کی ہو۔ انہوں نے آپؐ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے عدل وانصاف کی روایات کو ہی قائم رکھا۔ اور دنیا میں عدل وانصاف کے درخشندہ نمونے چھوڑ گئے۔

آج بھی مسلمانوں کے قلوب میں اسی باہمی الفت ومحبت، اخوتؑ واحترام کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اسلام کے خلاف ذلیل پروپیگنڈے سے وقتی طور پر ظالم لوگوں نے نوعِ انسانی کو اخوت وانصاف سے محروم کردیا ہے۔ تاہم انجام کار اسلام کا پیغام عدل وانصاف ہی غالب آکر رہے گا۔

۴۔ باهمی اخوت و احترام اور حریت و محبت کا پیام

اسلام رنگ ونسل وزبان ایسے اختلافات سے بالاتر ہوکر امن عالم۔ اتحاد اقوام بین الانسانی محبت کا داعی اور علمبردار ہے۔ اوران سب کی تہ میں رحم وکرم کی روح کارفرما ہے قرآنِ حکیم کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام (مخلوق) کی ربوبیت کرنے والا۔ بے اندازہ بار بار رحم والا۔ جزاوسزا کے دن کا مالک ہے۔''

قرآن حکیم نے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ وآلہ وسلم کو ''تمام مخلوق کے لیے رحمت'' قرار دیا ہے۔

''ہم نے تجھے تمام مخلوق کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''
(الانبیاء۲۱:۱۰۷)

قرآن حکیم کو بھی اللہ تعالیٰ نے رحمت قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام کائنات کی تخلیق میں رحمت کی صفت کارفرما ہے۔ ہر مسلم پر فرض ہے کہ جب وہ معمولی سے معمولی بھی اچھا کام کرنے لگے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے اندازہ بار بار رحم کرنے والا ہے) پڑھے۔ پس ایک مسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رحمت کا طلب گار رہتا ہے۔ اس کی بے پایان رحمت پر بھروسہ کرتا ہے۔ اور انسانوں اور حیوانوں سے برتاؤ کرتے وقت اس کی رحمت کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔

تمام تاریخی شخصیتوں اور برگزیدہ ہستیوں میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانند رحیم وکریم کوئی شخص نہیں گزرا۔ لیکن یادرہے کہ محض رحم کی تلقین کرتے جانا ایک خالی نعرہ ہے ہوسکتا ہے کہ آزمائش کے وقت ایسا شخص ثابت قدم نہ رہ سکے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ذریعہ تورات میں قانون دیا گیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرما کر دُعا ومناجات تعلیم فرمائی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے اخلاقیات کے درس دیے گئے۔ یہ سب کچھ الگ الگ حیثیت میں مفید اور کافی تھیں اور جزئی طور پر قانون کے مظاہرات کے پیشِ نظر دعا ومناجات کا تقابل محل نظر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح دُعا ومناجات کے مقابلہ میں اخلاقی اقدار کی تشنگی پائی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون اور دُعا ومناجات اور اخلاقیات پر عامل افراد کا کردار خواہ کتنا ہی نمایاں طور پر مثال کیوں نہ ہو مگر ایک دوسرے کے مقابلہ میں کمی کا احساس ضرور ابھرآتا ہے۔ چونکہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واحد ذات والا صفات خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا مجموعہ تعلیمات لے کر آئے جس میں مکمل قانون بھی ہے اور مفید دُعا ومناجات بھی ہیں اور اخلاقیات کے ضابطے بھی ہیں۔ نیز مکمل لائحہ زندگی ہے جس میں کہ ہر شعبۂ زندگی کے لیے راہنمائی موجود ہے۔ آپؐ نے اپنی تعلیم کی صداقت اپنے ذاتی عمل سے پیش کی۔ آپؐ کو اور آپ کے مٹھی بھر جان نثاروں کو بائیس سال تک مختلف ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ آپ پر پتھر برسائے کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ آپؐ کے راستے میں رات کی تاریکی میں کانٹے تک بچھائے گئے سر پر خاک ڈالی گئی۔ اور سالہا سال تک مجلسی بائیکاٹ رکھا گیا۔ آپ کے قتل کی ناپاک سازش کی گئی۔ آپ کو اپنے آبائی

وطن کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ دشمنوں نے آپ کو مدینہ میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آپ کے خلاف بار بار لشکر کشی میں سبقت کی گئی۔ آپ کے متعدد جاں نثار ساتھی بے رحمی سے شہید کر دیئے گئے۔ اگر چہ آپ کو آزادی اور چین حاصل نہ تھا اور ملک میں گھومنا پھرنا آپ کے لیے خطرے سے خالی نہ تھا۔ تاہم آخر کار آپؐ نے صبر وتحمل اور حکیمانہ تدبر سے اپنے سنگدل دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ آپ دس ہزار مسلمانوں اور جاں نثاروں کے ساتھ مکہ میں فتح یاب داخل ہوئے۔ دشمن آپ کے رحم وکرم پر تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائے تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ مہربان بھائی ہیں اور ہم مہربانی کے آرزومند ہیں۔ دشمنوں اور دنیا جہاں کے دستور کے خلاف آپؐ نے یہ تاریخی اور بے مثال اعلان فرمایا:

''آج کے دن تم سے کوئی باز پُرس نہیں ہوگی۔ تم آزاد ہو۔''

اس طرح آپؐ نے رحم وکرم کی جو مثال قائم فرمائی دنیا کا کون سا فاتح جرنیل اس کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اسلام نے اپنے نام لیواؤں میں رواداری، ہمدردی، محبت احترام کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے حکم دیا ہے کہ دنیا بھر کے مدعیان مذہب کے بزرگوں کا بھی احترام کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم اور بے پایاں رحمت سے مختلف اقوام عالم کی طرف وقتاً فوقتاً ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے کیونکہ یہ سب انبیاء، اسلام ہی لے کر آئے اور اسی کی تعلیمات کو عام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ہر مسلم بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سابقہ انبیاء اور پچھلی کتب شریعت کی تصدیق کرتے ہیں:

''رسول اس وحی پر ایمان لایا جو اس پر نازل ہوئی۔ اور مومن بھی۔ یہ تمام اللہ پر اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ (اور اقرار کرتے ہیں کہ) ہم رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں رکھتے۔'' (البرہ۲:۲۸۵)

☆☆☆

(باقی صفحہ ۲۳ کا)

گھروں میں کیبل ٹی وی اور دوسرے چینلوں پر دکھائے جانے والے فحش پروگراموں پر پابندی لگانا ضروری ہے۔ ٹی وی دیکھنے کے لیے محدود اوقات کا تعین کرنا بھی ضروری ہے۔ والدین اپنی اولادوں کے لباس پر بھی توجہ دیں کیونکہ آج عریاں اور غیر اسلامی لباسوں کا چلن عام ہو گیا ہے۔ یہ بھی معاشرہ میں خرابی پیدا کرنے اور اس میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم فراہم کی جائے اور مدرسین کو چاہیے کہ وہ طلبہ وطالبات کے ذہن کو دینی و اسلامی تعلیمات و اخلاقی تربیت سے سنواریں اور اسکولوں میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنا بھی ضروری ہے۔ محلوں اور قصبوں کے اداروں اور تنظیموں میں سیاسی کارکردگی کے بجائے دینی تعلیم اور فلاحی کاموں کو جاری رکھیں۔ جو وقت سیاسی پارٹی کی تشہیر وترقی میں دیا جاتا ہے اسے ملت کی فلاح و بہبودی اور دین کی عظمت و بلندی کے لیے صرف کریں۔ غیر شرعی رسومات کو اپنے گھروں سے ختم کریں اور دوسروں کو بھی آمادہ کریں۔ والدین کا خیال اور اساتذہ کا احترام، بڑوں کا ادب، رشتہ داروں سے بے تعلقی اور پڑوسی سے غمگساری اور حسن سلوک برقرار رکھیں۔ شادی بیاہ ہو، منگنی یا ولیمہ ایسے موقعوں پر فضول خرچی سے بچیں اور سادگی کو اپنائیں۔ تنظیموں اداروں اور اسکولوں میں ہونے والے غلط کاموں مثلاً فنڈ کا غلط استعمال، غبن اور حق تلفی جیسے جرائم اکھاڑ پھینکیں۔ اگر ایسے اقدام اٹھائے گئے تو انشاء اللہ بہت جلد ہمارے معاشرے سے خرابیاں ایک ایک کر کے دور ہو جائیں گی اور ہمارا معاشرہ پاکیزہ اور اسلامی بن جائے گا۔ پھر کوئی یہ نہ کہے گا کہ ''دنیا کا سب سے اچھا مذہب اسلام ہے اور سب سے خراب قوم مسلم'' بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہر انسان کو اسلام مذہب کے ساتھ مسلم بنا کر بھیجتا ہے۔ وہ دُنیا میں آ کر مختلف قوموں میں بٹ جاتا ہے۔

☆☆☆

اسلام میں پردہ کا رواج

شہید مرتضیٰ مطہری

اصولی طور پر اسلام نے ریاضت اور رہبانیت سے متعلق افکار سے جنگ کی ہے اور اس بات کی یورپی مستشرقین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام نے سر کی جوں کو اللہ کا موتی قرار نہیں دیا ہے بلکہ صفائی اور پاکیزگی کی تلقین کی ہے۔ رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے بال بکھرے اور کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں سے تمتع اور استفادہ دین کا حصہ ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا بدترین بندہ، غلیظ اور ناپاک انسان ہے۔ علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں: خداوند عالم خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: خداوند عالم کی ذات مرقع حسن ہے اور وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا بندہ اپنے آپ کو سنوارے اور ستھرا رکھے، لیکن اس کے برعکس اسے ناداری اور بدحالی پسند نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر خداوند عالم نے تمہیں کسی نعمت سے نوازا ہے تو ضروری ہے کہ اس نعمت کا اثر تمہاری زندگی میں ظاہر ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ خدا کی نعمت کا اثر کیونکر ظاہر ہوگا؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہ انسان اپنا لباس صاف ستھرا رکھے، اچھی خوشبو استعمال کرے، اپنے گھر کو سفیدی اور رنگ روغن کرے، گھر کے بیرونی حصہ میں جھاڑوں لگائے۔ اس کے علاوہ غروب آفتاب سے پہلے اپنے گھر کی بتیاں روشن کرے کہ یہ امر وسعت رزق کا سبب ہے۔ اسلام نے بالوں کی کنگی، خوشبو کے استعمال اور سر میں تیل ڈالنے کی سخت ہدایت کی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے بعض اصحاب نے بہتر اور بیشتر عبادت اور روحانی لذتوں سے بہرہ مند ہونے کے لے بیوی بچوں سے کنارا کیا۔ وہ تمام دن روزہ رکھتے اور شب عبادت میں گزارتے تھے جو نہی یہ بات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا میں تمہارا پیشوا ہوتے ہوئے بھی ایسا نہیں کرتا ہوں، فقط رات کے ایک حصے میں عبادت میرا معمول ہے۔ انہیں افراد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو جنسی اعتبار سے ناکارہ بنالیں۔ آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ اسلام ان باتوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

ایک دن تین عورتیں رسول ﷺ کے پاس اپنے شوہروں کی شکایت لائیں۔ ایک نے کہا میرے شوہر نے گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے۔ دوسری نے عرض کیا، میرا شوہر خوشبو سے اجتناب کرتا ہے۔ تیسری نے کہا، میرا شوہر عورتوں سے دوری اختیار کرتا ہے۔

رسول ﷺ نے غصّے کی اس کیفیت میں کہ ان کی رداز میں پرگھسٹ رہی تھی، گھر سے مسجد کا رُخ کیا اور منبر پر جلوہ افروز ہوکر فرمایا: آخر کیوں میرے اصحاب میں سے بعض نے گوشت، بعض نے خوشبو اور بعض نے عورتوں سے پرہیز کر رکھا ہے جب کہ میں خود ان تمام چیزوں سے استفادہ کرتا ہوں؟ جو کوئی بھی میری روش سے اعراض کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

اسلام نے زوجہ اور شوہر کے باہم محظوظ ہونے کی نہ صرف یہ کہ مخالفت نہیں کی ہے بلکہ اس کے لیے اجر وثواب بھی بتایا ہے۔ شاید ایک انگریز کے لیے یہ بات حیران کن ہو کہ اسلام نے زن وشوہر کی ایک دوسرے سے دل لگی، شوہر کے لیے عورت کا سنگھار اور شوہر کا زوجہ کے لیے خود کو پاکیزہ کرنے کو مستحب جانا ہے۔ پرانے زمانے میں جب چرچ تمام شہوانی لذائذ کا مخالف تھا تو ان باتوں کو ناجائز بلکہ مذاق سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے غیر ازدواجی صورت میں جنسی لذت اندوزی کو سختی سے منع کیا ہے۔ اس بارے میں اس کا اپنا ایک فلسفہ ہے جسے ہم بعد میں بیان کریں گے تاہم

اس نے جنسی لذت کے قانونی حدود کے اندر رہنے کو اچھا جانا ہے۔
یہاں تک کہ فرمایا عورت کی چاہت انبیاء کی صفات میں سے ہے۔

اسلام میں اس عورت کی سرزنش کی گئی ہے جو شوہر کے لیے اپنے بناؤ سنگھار میں کوتاہی کرتی ہے۔ اسی طرح ان مردوں کی بھی مذمت کی گئی ہے جو اپنی عورتوں کی خوشنودی حاصل نہیں کرتے۔ امام علی رضا نے فرمایا: ہاں مرد کی آراستگی، اس کی عورت کی پاکدامنی میں اضافے کا باعث ہے بعض عورتیں اپنی عفت کو اس لیے کھو دیتی ہیں کہ ان کے مرد اپنے آپ کو آراستہ نہیں رکھتے۔ یعنی نظافت کو ملحوظ خاطر رکھو اور یہودیوں کے مشابہ نہ بنو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا یہودی عورتوں نے اس لیے زنا کاری اختیار کی کہ ان کے شوہر غلیظ اور میلے کچیلے رہتے تھے اور طبیعت ان کی طرف راغب نہیں ہوتی تھی۔ تم اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھو تا کہ تمہاری بیویاں تمہاری طرف مائل ہوں۔

عثمان بن مظعون، اکابر صحابہ رسولؐ سے ہیں انہوں نے چاہا کہ وہ راہبوں کی تقلید میں ترکِ دنیا کریں۔ انہوں نے عورت، گھر اور تلذذات سے ترک تعلق اختیار کیا۔ ان کی زوجہ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ عثمان نے اپنا یہ وطیرہ بنا لیا ہے کہ دن کو روزہ رکھتا اور تمام رات عبادت گزاری میں بسر کرتا ہے۔ رسولؐ کو یہ بات ناگوار گزری اور آپ ان کے پاس پہنچے۔ عثمان نماز میں مشغول تھے۔ آپ نے ان کی نماز ختم ہونے دی اور پھر کہا: اے عثمان خداوند عالم نے مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا ہے۔ میرا دین حقیقت پر مبنی اور بہت سادہ اور آسان ہے۔

یعنی خداوند عالم نے مجھے رہبانیت اور ریاضت کے لیے نہیں بھیجا بلکہ مجھے ایک آسان فطری اور صرف درگذر کی حامل شریعت کے ساتھ بھیجا ہے میں نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور اپنے ازواج کے ساتھ اپنے ازدواجی تعلقات بھی استوار رکھتا ہوں۔ جو کوئی میرے فطرت سے مطابقت رکھنے والے دین کو پسند کرتا ہے اسے چاہیے کہ میری پیروی کرے۔ ازدواج میری سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔

☆☆☆

(باقی صفحہ ۲۷ کا)

بلکہ ہر مذہب، ہر ملت، ہر ملک اور ہر طبقے کا انسان ہر دوسرے انسان کا بھائی اور اس کے برابر ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے سب کی جان، سب کی عزت، سب کا مال سب کی حفاظت، سب کا مسلک، سب کا مذہب یکساں محترم ہے اور سب کی حفاظت، اور سب کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسلام ہر ظلم کو ظلم ہی کہتا ہے خواہ وہ کسی کے خلاف ہو یا کسی بھی جذبے کے ساتھ کیا جائے۔

اسلام ساری انسانیت کو "عیال اللہ" (خدا کی اولاد) کہتا ہے۔ ہر انسان کی خدمت کو خدا کی عبادت قرار دیتا ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اپنے پڑوس، اپنے محلے، اپنے شہر اور اپنے ملک کے لوگوں کا حق دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بتاتا ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ ایثار و قربانی، احسان اور حسن سلوک خواہ وہ جس انسان کے لیے ہو اسلام کے نزدیک بہت سی عبادتوں سے بڑھ کر ہے اور خدا کی محبت اور قربت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

☆ لوگو! آپس میں بدگمانی نہ کرو۔ ایک دوسرے کے معاملات کی کھوج نہ کرو۔ ایک کے خلاف دوسرے کو نہ اکساؤ۔ آپس کے حسد اور بغض سے بچو۔ ایک دوسرے کی کاٹ نہ کرو۔ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ (حدیث)

☆ کسی کو ظالم جانتے ہوئے اس کا ساتھ نہ دو۔ (حدیث)

☆ تمہاری دوستی اور دشمنی خدا کی خاطر ہونی چاہئے۔ (حدیث)

☆ دین کے معاملہ میں کسی قسم کی زبردستی جائز نہیں۔ (حدیث)

☆ اللہ کے علاوہ جن معبودوں کو لوگ پکارتے ہیں۔ انہیں ہرگز بُرا نہ کہو۔ (حدیث)

☆ دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ (حدیث)

☆ تم وہ اچھی امت ہو جسے دُنیا والوں کی بھلائی کے لیے اٹھایا گیا ہے۔ تمہارا کام نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔ (قرآن)

☆ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ساتھ دو اور برائی اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔ (قرآن)

دینی مزاج کا فقدان کیوں؟

ڈاکٹر محمد رفیع احمد

آج ہمارا معاشرہ غیر اسلامی ہوتا جارہا ہے۔ ہم دن بدن اپنے دین سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ عربی زبان میں ''دین'' سے مراد ''اطاعت'' اور اصطلاحاً اُس سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو کسی کو بالاتر مان کر اس کے احکام وقوانین کی پیروی اختیار کی جائے۔ بس دین کی تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سوسائٹی یعنی معاشرہ کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی فرماں روائی قائم نہ ہو بلکہ جس میں اللہ کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن ہو۔ دین کی اساس اسلام کے پانچ بنیادی عقائد پر ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں دینی مزاج کا فقدان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دن بدن دینی تعلیمات سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ نہ تو ہمارے گھروں میں صحیح طریقے سے دینی تعلیم وتربیت کا نظم ونسق ہے اور نہ ہی اسکولوں میں طلبہ وطالبات کو عصری تعلیمات کے ساتھ دینی تعلیمات فراہم کی جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں ہمارے مزاج میں دینی فقدان کا ہونا لازمی ہے۔ دینی مزاج کے نہ ہونے سے معاشرہ بے حد متاثر ہوتا ہے۔ نتیجتاً معاشرہ بے شمار خرابیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ چاہے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، سماجی زندگی ہو یا طبقاتی، زندگی کا ہر شعبہ حیات درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے معاشرے کا بغور مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ کس طرح آج انسان کی ذاتی زندگی میں غیر اسلامی افعال مثلاً جھوٹ، جہالت، نشہ خوری، جوا، سٹہ اور لاٹری کی لت، غیبت گوئی، بے ایمانی اور حسد وجلن سرایت کر گئے ہیں۔ بات بات پر ایسے اعمال دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں۔ چونکہ ہر فرد، سماج یعنی معاشرہ کی اکائی ہوتا ہے، اس لیے انفرادی خرابیوں کا اثر خانگی، سماجی اور طبقاتی پہلوؤں پر پڑتا ہے۔

اگر آپ خانگی سطح پر نظر ڈالیں تو اولادوں کی غلط تربیت کی وجہ سے والدین کی نافرمانی، اللہ تعالیٰ سے بے توجہی، میاں بیوی کے جھگڑے، قطع تعلقی طلاق، کیبل ٹی وی کے ذریعے دکھائے جانے والے فحش پروگراموں کی طرف بڑھتا ہوا رجحان نظر آئے گا۔

سماجی سطح پر مسلم بستیوں کی حالت قابل افسوس کے سوا اور کچھ نہیں۔ ذات پات کے جھگڑے، فحش کلامی، گالی گلوج، اصول صحت سے ناواقفیت، فقرے بازی، چائے، پان بیڑی کی دکانوں میں اڈہ بازی، نوجوانوں کے تضیع اوقات کے ٹھکانوں کا بڑھتا رجحان، معمولی سی بات پر چاقو اور گالی کا استعمال حتیٰ کہ قتل کی نوبت، شادی بیاہ کے موقعے پر اکھاڑے بازی، شب برات کی آتش بازی جیسی خرافات عام ہوگئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سادگی کو اپناؤ کیوں کہ سادگی ایمان کی علامت ہے لیکن آج ہمارے اندر سے سادگی ختم ہوتی جارہی ہے اور ہم رنگینیت کی طرف بڑھتے جارہے ہیں جو ہماری ہلاکت و تباہی کا سامان ہے۔

طبقاتی سطح پر نظر ڈالیں تو ملی تنظیموں سے جڑے بیشتر لوگوں میں آپسی رسہ کشی، باہمی تعاون کا فقدان، غیر ذمہ دارانہ بیان بازی اور نعرے بازی کے بڑھتے ہوئے رجحانات ملیں گے۔ نتیجتاً

ملی تنظیموں کا زوال پذیر ہونا اور بدنام زمانہ ہونا لازمی ہے، مذہبی طبقہ کی بے عملی، دنیا پرستی، برداشت کی کمی، ہوس مال، غیبت اور چغل خوری جیسی خرابیوں کا شکار ہے۔ دینی مدارس میں تربیت کا فقدان، فقہی جمود، مسلکی اختلافات، طلبہ وطالبات کا استحصال، انتظامیہ کا غیر ذمہ دارانہ طریقہ کار، چندے کا بیجا استعمال اور صحت وصفائی سے لاپرواہی جیسی خرابیاں دیکھنے کو ملیں گی۔ سیاسی قائدین میں ہوس اقتدار، شوق تشہیر، وعدہ خلافی، غنڈوں کی سرپرستی، مذہب کا استحصال، ذاتی مفادات، چھوٹے پروپگنڈے، اوچھے ہتھکنڈے اور سیاسی جوڑ توڑ جیسی خرابیاں عام ہیں۔ اسکول میں دین سے غفلت، طلبہ وطالبات کا سیاسی استحصال، علاقائی عصبیت، یونینوں کا ناجائز دباؤ، تعلیم سے بے رغبتی، رقص وسرور کا بڑھتا ہوا چلن، جنسی اختلاط، غبن وہیرا پھیری، اشتعال انگیزی ومار پیٹ جیسی خرابیاں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ مدرسین اپنی ذمہ داریوں سے لاپرواہ ہیں، طلبہ وطالبات کی تربیت سے غفلت برت رہے ہیں اور ٹیوشن پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔

سرکاری ملازمین رشوت خوری، کام چوری، بے خوفی، حصہ داری اور استحصال میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر حضرات ہمدردی کے بجائے بیدردی کے ساتھ مریضوں کا استحصال کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ وکلاء، چرب زبانی، دھوکا اور لالچ سے کام لے رہے ہیں۔ جھوٹ، فریب، خیانت، بداخلاقی، اور کم ناپ تول کے رجحانات کے شکار ہیں۔ گویا معاشرے کی سطح میں خرابیاں پیوست ہوگئی ہیں اور ان خرابیوں کی وجہ دینی تعلیم کا فقدان ہے اور جس کا نتیجہ ہے کہ ہمارا معاشرہ غیر اسلامی مزاج کے لوگوں سے بے حد متاثر ہوا ہے جس کو روکنا اور اس میں سدھار لانا ہم سبھوں کا فرض ہے۔

عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم وتربیت بے حد ضروری ہے۔ تعلیم سے واقفیت حاصل ہوتی ہے جب کہ تربیت انسان کے مزاج کو تعلیم کے مطابق ڈھالنے میں اہم کردار کرتی ہے۔ سیاسی سطح پر اگر آپ آر ایس ایس اور مارکسوادی تنظیموں پر نظر ڈالیں تو اس بات کی اہمیت صاف نظر آجائے گی کہ کس طرح یہ سیاسی تنظیمیں اپنے فلسفوں کو اپنے کارکنوں کے ذہن میں ڈھالنے کے لیے مسلسل تربیتی کیمپوں یا کلاسوں کا اہتمام کیا کرتی ہیں۔ اسی تربیت کے زیر اثر یہی کارندے پھر اپنی تنظیموں کے پرچار اور پھیلاؤ کے لیے ہمہ تن ومن کوشاں رہتے ہیں اور وقت پڑنے پر اپنی تنظیموں کے وقار کو بچانے کی خاطر مرمٹنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ اس طرح کے واقعات ماضی میں بھی ہوئے اور آج بھی رونما ہوتے ہی رہتے ہیں۔

ہمیں بھی متذکرہ بالا تنظیموں کی طرح دینی تعلیم وتربیت کو عام کرنے کے لیے سرگرم ہونا ہوگا۔ ہماری یہی سرگرمی ہمارے معاشرے میں دینی مزاج پیدا کرنے کا باعث بنے گی۔ اس کے لیے ضروری ہے والدین اپنی اولادوں کو بچپن ہی سے اپنے گھروں میں دینی تعلیمات دیں۔ جوں ہی اولاد بولنا شروع کرے۔ اللہ ایک ہے اور محمد ہمارے رسولؐ ہیں کا درس دیں۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ کم از کم چار کلمے زبانی یاد کرائیں اور ان کے ترجمے بھی بتائیں۔ اخلاقی باتوں سے ان کے ترجمے بھی بتائیں۔ اخلاقی باتوں سے ان کے ذہن کو سنواریں اور ان میں دینی مزاج پیدا کریں۔ اس کام میں باپ سے زیادہ ماں کو دلچسپی دکھانی ہوگی کیونکہ اولاد کے لیے ماں پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جدید تعلیم نہ دلائیں بلکہ عصری تعلیم کے ساتھ گھروں میں دینی تعلیم سے ان کی تربیت ضرور کریں تاکہ اچھی تعلیم سے آراستہ ہو کر جب وہ باہری یا اسکولی ماحول میں جائیں تو وہاں بھی اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں اور دوسروں میں بھی اچھائی کو اپنانے کا جذبہ پیدا کرسکیں۔

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

فری سیکس کے نام پر دجال نے ہندوستان پر حملہ کر دیا

یہودیوں نے یورپ اور امریکہ کو تباہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ کے راستے سے ان ملکوں کو بہت دور کر دیا گیا۔ یہودیوں کا یہ منصوبہ اتنا کامیاب ہوا کہ آج عیسائی اور یہودی ایک جسم کی طرح ہو گئے جب کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھانے کی سازش کرنے والے یہودی تھے۔ مگر ان عقلمندوں کو اس بات کا احساس تک نہیں ہوا کہ وہ اندر ہی اندر تباہ ہو رہے ہیں آج ہندوستان کو بھی اسی راستے پر ڈال دیا گیا، ٹی وی چینلوں کے ذریعہ بند کمروں کے دروازے کھول دئے گئے۔

ہندوستان کے ایک سو دس چینلوں میں ہر زبان میں ایسے سیریل بتائے جا رہے ہیں جس سے پاکیزہ رشتے بھی شک کے دائرے میں آ گئے۔ ہم تعلیم کی بات کرتے ہیں کالج کی بات کرتے ہیں مگر اسکولوں اور کالجوں میں بلکہ پرائمری اسکولوں ہی سے سیکس کی تعلیم دینے کی باقاعدہ ہدایت بلکہ حکم جاری ہوا کالجوں میں کنڈوم تقسیم کرنے کے علاوہ جنسی ملاپ کے لیے سہولتوں کی بات بھی ہو رہی ہے ایک سیریل تیار ہے جس میں ستر سالہ شخص سترہ سالہ لڑکی سے نہ صرف عشق کرتا ہے بلکہ جنسی ملاپ کے مناظر بھی بتائے گئے ہیں اور اس سیریل کو انعام بھی دیا جائے گا، حقیقت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے عوام کو سیکس کے جنون میں مبتلا کرو۔ ہندوستان کو بھی یورپ اور امریکہ کی طرح برباد کر دیا یہ گویا دجال کا وہ فتنہ ہے جس میں ہندوستان گرفتار ہے اور یہ منصوبہ کامیاب ہے پرائمری اسکولوں میں سیکس کی تعلیم دینے کی ہدایت ملنے کے بعد کئی ریاستوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر مرکزی حکومت کو ہدایات کہاں سے ملتی ہے مرکزی حکومت کو امریکہ سے ہدایت بلکہ حکم ملا ہے کہ اس پر عمل کرو۔ امریکہ کے پالیسی میکر یعنی پالیسی بنانے والے یہودی ہیں جسے سب جانتے ہیں سعودی عرب سے لے کر ہر چھوٹے بڑے عرب ملکوں کے عوام کو اسی راستے پر ڈال دیا گیا ہے جن جن مسلم ملکوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اسے بلاک لسٹ میں رکھا گیا ہے۔ بی جے پی والے بھارتی سنسکرتی کی بات کرتے ہیں ہندو فلسفہ کی بات کرتے ہیں ہزاروں سال پہلے کی تاریخ کی بات کرتے ہیں مگر صرف مسلم دشمنی میں اندھے ہو کر امریکہ کی حمایت کر رہے ہیں بھارتی سنسکرتی کو سب سے بڑا خطرہ یورپ اور امریکی کلچر سے ہے اگر یہی صورت حال رہی تو ہندو کلچر ہندوستانی کلچر یا بھارتی کلچر کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ سوائے یورپی کلچر کے کوئی کلچر باقی نہیں رہے گا یہ لوگ یورپی کلچر کی مخالفت کرنے کی بجائے مسلم کلچر کے خلاف کھڑے ہو گئے جب کہ ہندو کلچر کو مسلمان سے یا مسلم کلچر سے کوئی خطرہ نہیں بلکہ یہودی اور یورپی کلچر سے خطرہ ہے۔

(بحوالہ القدس کی بات ۱۳/ اپریل ۲۰۰۷ء)

☆☆☆

مذہب اور قومی یکجہتی

از ڈاکٹر عبدالحق انصاری

ہندوستان میں قومی یکجہتی اور اتحاد ایک مسئلہ بن گیا ہے بہت سے لوگ قوموں اور زبانوں کی طرح مذہبوں کی کثرت کو بھی اتحاد ویکجہتی کی راہ میں حائل سمجھنے لگے ہیں بعض افراد اس مشکل کا حل وحدت ادیان کے تصور میں تلاش کرتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ وحدت ادیان کا نظریہ کسی مذہب کا بدل نہیں بن سکتا۔ جس طرح زبانوں کی کثرت کا حل نہیں ہے کہ ہم ان کے درمیان ایک مشترک زبان، تلاش کریں یا مختلف زبانوں سے کچھ اجزاء لے کر ایک مخلوط زبان بنائیں، اسی طرح مذاہب کی کثرت کا حل یہ نہیں ہے کہ ہم ان میں سے ایک مشترک مذہب، نکالنے کی کوشش کریں یا ہر مذہب سے ایک ایک جز لے کر ایک نیا دین الٰہی تیار کریں۔

بعض ترقی پسند حلقے مذاہب کی کثرت سے آگے بڑھ کر نفس مذہب کو ہی اختلافِ انتشار کا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدایا بھگوان کا نام لینا ہی اختلاف اور فساد کو دعوت دینا ہے۔ ان حضرات کو کوئی دلچسپی مذہبی جھگڑوں کو سلجھانے سے نہیں ہے۔ یہ اپنا کام ہر مذہب کو بیخ وبُن سے اکھاڑنا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے بہت سے افراد اور جتھے مذہبی جھگڑوں کو ہوا دیتے ہیں۔ اور فرقہ وارانہ فسادات میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں تا کہ وہ اس طرح مذہب کو بدنام کرسکیں اور مذہبی قوتوں کو کمزور کرسکیں۔ یہ گروہ ہندوستان کو اس کی ہزار ہا سالہ قدیم مذہبی روایات سے کاٹ کر لا مذہبیت کی راہ پر چلانا چاہتا ہے۔ اسے یہ احساس نہیں ہے کہ مذہب کی جڑیں انسانی فطرت کی گہرائیوں میں ایسی پیوست ہیں کہ کسی کے اکھاڑنے سے اکھڑنے والی نہیں ہیں۔ آج سارے عالم میں مذہب کے احیاء کی جو کوشش ہو رہی ہے اور جس کے اثر سے ان کی اپنی سرخ جنت بھی محفوظ نہیں ہے اس سے بھی لوگ سبق لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

نہ مذہب اتفاق واتحاد کی راہ میں حائل ہے اور نہ ہی مذاہب کی کثرت۔ جو چیز واقعی رُکاوٹ ہے وہ بے مذہبی اور مذہب دشمنی کی وہ کوششیں ہیں جو مذہب کے نام پر بڑی بے شرمی کے ساتھ آج کل کی جارہی ہے۔ مذہب کے نام پر جو جھگڑے ہوتے ہیں ان کے پیچھے کوئی دینی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا بلکہ چند حقیر ذاتی اور گروہی مقاصد اور بعض خالص مادی اور سیاسی مفادات ہوتے ہیں جھگڑوں کی ابتدا بظاہر کسی معمولی واقعہ سے ہوتی ہے جسے اگر لوگ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیمات کی روشنی میں سلجھانا چاہیں تو یہ معمولی واقعات بڑھ کر فساد کی شکل نہ اختیار کریں۔ ان چنگاریوں کو جو چیز شعلہ بنا دیتی ہے اور جس کی آگ بہت سی انسانی بستیوں اور بیش بہا انسانی جانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے وہ لا مذہبیت اور مذہب دشمنی کی وہ منصوبہ بند کوششیں ہیں جو مذہب کی آڑ میں کی جاتی ہیں۔ اور جن کا واحد محرک مالی اور سیاسی مفاد ہوتا ہے یہ کوشش ہرگز کسی مذہب کی عزت کا باعث نہیں بلکہ الٹی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتی ہیں۔

اہل مذاہب کے درمیان نا اتفاقی کے اسباب

مذہب کے ماننے والوں کے درمیان نا اتفاقی اور تصادم کے کچھ دوسرے ہی اسباب ہیں:

پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ اور بعض جتھے یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ہندوستان صرف ایک مذہب کے ماننے والوں کا نہیں بلکہ ان سارے مذہب والوں کا ملک ہے جو یہاں پر سینکڑوں اور ہزاروں سال سے رہتے اور بستے چلے آئے

ہیں۔ یہ لوگ اس ملک کو اپنی ذاتی میراث سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بدیسی کہتے ہیں۔ انہوں نے ہندوستانی ہونے کی جو شرطیں وضع کی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب تک دوسرے لوگ ان کی مذہبی روایات کو اپنی روایات اور ان کی مذہبی شخصیتوں کو اپنی شخصیتیں نہ تسلیم کرلیں یعنی دوسرے الفاظ میں جب تک ان کے مذہب کے ایک جزو پر ایمان نہ لائیں اس وقت تک ہندوستانی کہلانے کی مستحق نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں ہندوستانی ہونے کے لئے اس ملک کے ساتھ وفاداری اور محبت کافی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ذہنیت کی موجودگی میں ملک میں کبھی امن و آشتی کی فضا قائم نہیں ہوسکتی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ بعض لوگ غلطی سے یہ سوچنے لگے ہیں کہ ان کا اپنے مذہب کو برحق سمجھنا، اپنے رسوم و آداب کو محترم جاننا اور اپنی روایتوں اور بزرگوں کی عزت کرنا اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اپنے مذہب کو دوسروں پر لادیں اور اپنے طریقوں کو دوسروں سے بزور منوائیں اور یہ اگر ممکن نہ ہو تو ان کے عقائد پر پھبتی کسیں۔ ان کی عبادت گاہوں کے بے حرمتی کریں اور ان کی بزرگ ہستیوں کا مذاق اُڑائیں۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اگر کسی عقیدہ کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھتا ہوں تو اس سے مجھے کب یہ حق پہونچتا ہے کہ میں دوسرے عقیدہ کا مذاق اڑاؤں۔ اگر میں اپنے طور طریقہ کو بہتر اور دوسرے کو ناقص سمجھتا ہوں تو اس سے کب یہ لازم آتا ہے کہ میں اپنے طریقہ کو دوسروں پر زبردستی مسلط کروں جو شخص یا گروہ بھی ایسا کرے گا وہ انسانیت اور جمہوریت ہی نہیں خود اپنے مذہب کی قدروں کا گلا گھونٹے گا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر اپنے لئے جو حقوق چاہتے ہیں وہ دوسروں کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ہم مثلاً یہ چاہتے ہیں کہ ہماری جان و مال محفوظ ہو۔ ہماری عزت و آبرو پر کوئی آنچ نہ آئے۔ ہمیں تعلیم و ترقی کا پورا موقع ہو۔ مناصب اور ملازمتوں پر ہمارے اپنے لوگ فائز ہوں۔ ہمیں اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کی پوری آزادی ہو۔ اپنے بچوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا موقع ہو اپنے دینی اور تہذیبی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا حق ہو اور اپنی زبان کو پڑھنے پڑھانے اور ترقی دینے کے لیے تمام سہولتیں حاصل ہوں۔ مگر ہم یہی حقوق دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہم خود اپنے حق سے زیادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن دوسروں کو ان کا جائز حق بھی دینا پسند نہیں کرتے۔ اور ہم قطعاً نہیں سوچتے کہ ہمارا یہ رویہ عدل وانصاف ہی کے خلاف نہیں بلکہ خود ہمارے اپنے مذہب کی بہترین روایات اور اعلیٰ قدروں کے خلاف ہے۔ اس سے ہمارے مذہب کی عزت نہیں بڑھتی بلکہ پوری دنیا میں رسوائی ہوتی ہے۔

میرے خیال میں مذاہب کے لوگوں میں نااتفاقی اور عداوت کے یہی تین بڑے اسباب ہیں۔ ان کا علاج میرے نزدیک یہ ہے کہ:

۱۔ ہم ہندوستان کو ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں، بدھوں، جینیوں، پارسیوں اور ان سارے فرقوں کا ملک سمجھیں جو پشتہا پشت سے اس میں بستے اور رہتے چلے آئے ہیں۔ ہم سچے دل سے مانیں کہ ہمارے ملک میں ہر مذہب اور ہر فرقہ کو یکساں حقوق حاصل ہوں۔

۲۔ اپنے مذہب، اپنے رسم ورواج۔ اپنی قدروں اور اپنی روایات کو زبردستی دوسروں پر مسلط نہ کریں۔ دوسروں کے عبادت خانوں، مذہبی بزرگوں، کتابوں، روایتوں، تقریبوں اور طور طریقوں کا احترام کریں۔

دوسروں کے مذہب، مذہبی امور اور شخصیتوں کے احترام کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ ہم اپنے مذہب کی باتوں میں شبہ کریں نہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم ہر مذہب کا یکساں حق ماننے لگیں۔ اور کسی کو کسی کے مقابلہ میں ترجیح نہ دیں یا کسی بات کو صحیح اور کسی کو غلط نہ ٹھہرائیں۔ ہر انسان کو اپنی باتیں صحیح اور دوسرے کی باتیں غلط سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ دوسروں کے بے عزتی اور بے حرمتی کرے۔

۳۔ ہمیں ہر انسان کا یہ حق سمجھنا چاہئے کہ وہ کسی مذہب میں یقین رکھنے یا ایک کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اپنانے میں آزاد اور مختار ہے۔ اس کو اپنے خیالات ونظریات کو عام اخلاقی ضابطوں اور جمہوری حدود میں رہتے ہوئے ظاہر کرنے اور اس مقصد کے لیے نشر واشاعت کے سارے ذرائع پریس اور اخبار استعمال کرنے، کتابیں شائع کرنے اور اسکول اور مدرسے قائم کرنے ہر چیز کا یکساں حق پہونچتا ہے۔

۴۔ آخری بات یہ کہ ہم اپنے مذہب کی عام انسانی قدریں کو نہ بھولیں۔ انہیں اپنے مذہب کا بنیادی اور اہم حصہ سمجھیں۔ مذہب اور ملت کا فرق کیے بغیر ان کو ہر انسان کے ساتھ برتنا سیکھیں۔ ہر انسان کی خدمت اور محبت کو اپنا دھرم جانیں، اور کسی بھی انسان کے ساتھ ظلم وزیادتی کو گناہ عظیم سمجھیں۔ یہ بات خوب ذہن نشین کرلیں کہ کسی ایک انسان کو ناحق ستا کر، اس کو جائز حقوق سے محروم کرکے اس کی جان، مال، عزت و آبرو کو نقصان پہونچا کر ہم نہ اپنی خدمت کریں گے نہ اپنے مذہب کی اور نہ اپنے ملک کی حق وانصاف کے خلاف ہمارا ہر قدم انسانی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی ہر اعتبار سے غلط ہے۔ اور ہماری نجات کی راہ میں پہاڑ جیسی رکاوٹ۔

مجھے یقین ہے کہ اگر ہر مذہب کے لوگ ان باتوں کو جوان کے کے اپنے مذہب کی سچی تعلیمات ہیں صدق دل سے اپنا لیں، ان پر خود عمل کریں اور اپنے بھائیوں سے عمل کرائیں۔ تو ہم ایک اچھا مضبوط پُرامن اور مہذب سماج پیدا کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ ان باتوں کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔

اسلام اور قومی یکجہتی

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ قومی یک جہتی، اتفاق اور اتحاد کی ان ساری باتوں کی پوری تائید کرتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے سارے مذاہب یکساں احترام کے مستحق ہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں، شخصیتوں کتابوں رسوم اور طریقوں کا احترام کرے۔ کسی معبد کو نقصان پہنچانا کسی مذہبی شخصیت کو برا کہنا، کسی دینی کتاب کی بے حرمتی کرنا۔ اسلام کی نگاہ میں سخت گناہ ہے یہ کام کوئی مسلمان آج کرے یا کسی مسلمان نے تاریخ میں کبھی کیا ہو غلط ہے۔ اور اس کا کرنے والا غلط کار ہے خواہ اس نے جس خیال سے بھی کیا ہو۔ جو کام اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے اس کو اسلام کے نام پر کرنا اسلام کی کوئی خدمت نہیں بلکہ الٹی اس کی رسوائی ہے۔ اس باب میں قرآن و سنت نے واضح حکم دیا ہے۔ اور اسلامی قانون میں اس سے متعلق صریح دفعات موجود ہیں۔ کسی مسلم بادشاہ کے عمل سے، کسی قاضی کے فیصلے سے کسی حاکم کے حکم سے یا کسی مفتی کے فتوے سے اس اصول میں کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں ہے۔

اسلام ہر انسان کو اختیار و انتخاب کی آزادی دیتا ہے۔ ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے، اس کی تبلیغ کرنے اس کے لیے اسکول کھولنے پریس اور اخبار استعمال کرنے، کتابیں اور رسالے شائع کرنے کا حقدار سمجھتا ہے۔ اسلام مذہب بدلنے پر کسی کو مجبور کرنا ناجائز قرار دیتا ہے۔ **لا اکراہ فی الدین** (دین کے معاملے میں کوئی زبردستی جائز نہیں ہے) قرآن مجید کا حکم ہے۔ اسلام مذاہب کے رسوم اور تقریبات، تنظیموں اور پرسنل لا میں دخل دینے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ مسلمان حکمرانوں نے اسلامی تعلیمات کا تقاضہ سمجھ کر اپنے ماتحت قوموں کو ان کے مذہبی معاملات میں پوری آزادی دی ہے۔ ان کے پرسنل لا کی حفاظت کی ہے اس کے نفاذ کے لیے ان کے اپنے آدمی مقرر کیئے ہیں اور ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کے اپنے جج متعین کیے ہیں۔ یہی طرز عمل اسلام کی تعلیمات اور اس کی صحیح روایات کے مطابق ہے۔ اس کے خلاف اگر کچھ بھی کہیں ملتا ہے تو وہ غیر اسلامی اور غلط ہے۔

اسلام ہر انسان کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد سمجھتا ہے سارے انسانوں کو بھائی بھائی اور سب کو برابر قرار دیتا ہے۔ یہ بات صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہے۔ (باقی صفحہ ۲۱ پر)

باھمی محبت کے تقاضے

سلام، مصافحہ، اورمعانقہ

ازقلم: جناب مولوی احمد گل صاحب مسلم ٹاؤن، لاھور

انسانی معاشرے میں شروع سے یہ رسم چلی آرہی ہے کہ ایک آدمی جب کسی دوسرے سے ملتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کو خیر سگالی کے طور پر کسی خاص کلمے یا کسی مخصوص طریق پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے افراد آئندہ کے لیے باہمی تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے۔ خوشگوار اور اُمید افزا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسلام سے پہلے اہلِ عرب جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو **انعم اللّٰہ بک عینا وانعم حیاۃ** کے الفاظ استعمال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے اور تیری ہر صبح نعمتوں میں گزرے۔ اگر چہ یہ دُعائیہ کلمات ہیں مگر ان میں جامعیت نہیں پائی جاتی۔ اس لیے اسلام نے ان کلمات کی بجائے السلام علیکم جیسے مکمل اور جامع الفاظ مسلمانوں کے لیے تجویز کئے جن میں ہر قسم کے امن اور ہر قسم کی سلامتی کے لیے دُعا کی جاتی ہے۔

سلام کی اھمیت

السلام علیکم! یہ ایسا جملہ ہے کہ جس کے ذریعہ ایک شخص دوسرے کو سلامتی کی دُعا دیتا ہے۔ اگر یہ دُعا خلوصِ قلب سے ہو تو اس عظیم الشان نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس دُعا کو **تحیۃ من عنداللّٰہ مبارکۃً طیبۃً** کہہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت اور رحمت کا تحفہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرآنی الفاظ کے مفہوم کو اپنے ان الفاظ میں **تکن برکۃ علیک وعلیٰ اھل بیتک** بیان فرما کر بتا دیا کہ سلام کہنے والا اور اسے قبول کرنے والا دونوں خیر و برکت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ خیر و برکت اسلام کے لفظ میں پائی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں **ان السلام اسم من اسماء اللّٰہ تعالیٰ و ضعہٗ فی الارض ففشوہ بینکم۔** یعنی السلام علیکم میں لفظ السلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو اہل زمین میں متعارف ہے۔ اس لیے سلام کو رواج دیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو سکے۔ (کنز الاعمال)

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں بھی یہی مفہوم ادا کیا گیا ہے جس کے الفاظ ہیں **اذا اراد احدکم السلام فلیقل السلام علیکم فان اللّٰہ ھو السلام فلا تبدو اقبل اللّٰہ بشوءٍ** یعنی السلام علیکم کہنے والے کو چاہیے کہ کلام شروع کرنے سے پہلے اللہ کے نام السلام کو اپنے کلام پر مقدم سمجھے۔

حضرت نبی کریم صلعم نے جہاں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چند ایک حقوق کا ذکر فرمایا ہے وہاں سلام کہنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ فرمایا **و سیلم علیہ اذالقیہ** یعنی جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملے تو اسے سلام کہے۔ (دارمی) سلام دو مسلمانوں میں تعلقات بڑھانے اور محبت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے مسلمانوں کو توجہ دلائی **اولا ادلکم علیٰ شیءٍ اذا فعلمتوہ تحابتم افشو ا السلام بینکم۔** کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جس پر

عمل کرنے سے تم میں ایک دوسرے سے محبت پیدا ہو جائے؟ وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کرو۔ (مسلم)

سلام کی اہمیت کا اندازہ صحابہ کرام کی زندگیوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں سلام کے پھیلانے میں کس قدر جوش پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں طفیل ابن ابی کی ایک روایت درج کی ہے۔ طفیل فرماتے ہیں کہ ایک دن میں عبداللہ ابن عمر کے ہاں گیا تو انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بازار جانے پر مجبور کیا۔ میں نے کہا کہ تم بازار میں جا کر کیا کرو گے؟ جب کبھی تم بازار جاتے ہو نہ کسی دکان پر ٹھہر کر سودا چکاتے ہو اور نہ خرید و فروخت کرتے ہو اور نہ ہی بازار کی مجلسوں میں بیٹھنے میں دلچسپی لیتے ہو جب کہ بازار میں جا کر کوئی کام ہی نہیں کرتے تو وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آؤ ہم یہیں بیٹھ کر باہمی باتوں سے فائدہ اُٹھالیں۔ اس پر عبداللہ نے کہا کہ اے طفیل میں اس لیے بازار جاتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد پر عمل کر سکوں **سلم علیٰ من عرفت و من لم تعرف**۔ وہاں جا کر میں ہر ایسے شخص کو سلام کرتا ہوں جس سے میری جان پہچان ہے۔ اور اس سے بھی جسے میں نہیں جانتا۔

پہلے سلام کون کرے

سلام کہنے میں سبقت کرنے کو آپؐ نے بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! دو شخص جب ملیں تو ان میں سے کون پہلے سلام کرے۔ آپ نے فرمایا ان **اولیٰ الناس باللّٰہ تعالیٰ من بدأ ھم بالسلام** جو شخص اللہ کی رحمت، فضل اور اس کی رضا کو زیادہ حاصل کرنے کا آرزومند ہے وہ پہلے سلام کرے۔ (ترمذی)

سلام کا جواب

اسلام نے السلام علیکم کا جواب دینے کی بھی بہت تاکید کی ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں **السلام تطوع والرد فریضة** یعنی سلام کہنا ایک پسندیدہ نیکی ہے اور اس کا جواب بطور فرض ضروری ہے۔ (دیلمی) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **واذا حییتم بتحیة فحیوابا حس منھا اور دّوھا ان اللّٰہ کان علیٰ کل شئی حسیبا**۔ (النآء:۸۷) یعنی جب تم کو کسی دُعا کے ساتھ دُعا دی جائے تو تم اس کے جواب میں اس سے بہتر دُعا دو یا کم سے کم اسی کو لوٹا دو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ یہاں نہ صرف سلام کا جواب دینا ضروری قرار دیا گیا ہے بلکہ بہتر طریق پر جواب دینے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ آیت کے آخری حصّہ میں ان لوگوں کو جو سلام کے جواب دینے میں کوتاہی کرتے ہیں یہ کہہ کر تنبیہہ فرمادی ہے کہ تمہیں اللہ کے حضور اس معاملے میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ آیت کے الفاظ **فحیوّا باحسن منھا** میں جن کلمات کو بڑھانے کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ ان کی اہمیت اور فضیلت حضرت نبی کریمؐ نے ان الفاظ میں بیان فرمادی ہے۔ ترجمہ ''سلام کے جواب میں جو شخص بعینہٖ اسی جملہ (السلام علیکم) کو دھراتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو دس نیکیوں کا اجر دیتا ہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے کہنے پر بیس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہہ کر جواب دینے پر تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

سلام کا جواب اشاروں سے

مسلمان کہلانے والے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو مغربی تہذیب کے زیر اثر سلام کا جواب سر کے اشارے سے یا ہاتھ کی جنبش سے دیتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلامی روایات کے خلاف ہے اس سے تکبر اور خود آرائی کا اظہار ہوتا ہے۔ نبی کریم صلعم فرماتے ہیں ''یہود اور نصاریٰ کے طریق پر سلام نہ کیا کرو۔ یہود انگلیوں کے اشارے اور عیسائی ہاتھ کی جنبش سے سلام کرتے ہیں۔'' (ترمذی)

حضرت مرزا صاحبؒ مسلمانوں میں سے ایسے طبقہ کے متعلق جو یورپی تقلید کو پسند کرتے ہیں فرماتے ہیں: ''دین سے وہ بالکل بے خبر اور تقویٰ سے خالی ہیں اور غرور سے بھرے ہوتے ہیں۔ اگر ایک غریب ان کو السلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں

وعلیکم السلام کہنا اپنے لیے عار سمجھتے ہیں بلکہ غریب کے منہ سے اس کلمہ کو ایک گستاخی کا کلمہ اور بے باکی کی حرکت خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلے زمانہ کے اسلام کے بڑے بڑے بادشاہ السلام علیکم میں اپنی کوئی کثیر الاشان نہیں سمجھتے تھے مگر یہ لوگ تو بادشاہ بھی نہیں ہیں۔ پھر بھی بے جا تکبر سے ان کی نظر میں ایسا پیارا کلمہ جو السلام علیکم ہے جو سلامت رہنے کے لیے ایک دُعا ہے حقیر کر کے دکھایا ہے۔'' (چشمۂ معرفت ص ۴/۳)

ھر نئی ملاقات پر سلام

بار بار ملنے اور ہر نئی ملاقات کے بارے میں حضور صلعم کا ارشاد ہے **اذا یقی احدکم اخاہ فلیسلم علیه فان حالت بینهما شجرۃ او جدا را وحجر ثم لقیه فلیسلم علیه.** تم میں سے کوئی جب اپنے بھائی سے ملے تو السلام علیکم کہے۔ پھر جب کوئی درخت یا دیوار یا پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے یعنی وہ ایک دوسرے سے اوجھل ہو جائیں اور بعد میں فوراً ہی آپس میں ملیں تو پھر ایک دوسرے کو سلام کہیں۔ (ابوداؤد)

ھر ملنے والے کو سلام کھنا چاھیے

بدقسمتی سے مسلمانوں میں سلام کے متعلق کچھ غلط طریقے رواج پا گئے ہیں جو سنتِ نبویؐ کے خلاف ہیں۔ عام طور پر اپنے واقف کاروں اور دوستوں کو سلام کہہ کر دُعا دی جاتی ہے مگر ناواقف اور اجنبی افراد کو اہل خانہ اور بچوں کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے۔

گھر میں آنے اور اہلِ خانہ کو سلام کرنے کے بارے میں حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا **اذا دخلتم بیتاً فسلموا علیٰ اهله واذا خرجتم فاودعوا اهله بسلام.** ''جب تم گھر میں آ ؤ تو اہلِ خانہ کو سلام کرو اور جب تم گھر سے باہر نکلو تو پھر بھی انہیں سلام کر کے نکلو۔'' (بیہقی)

جن لوگوں سے جان پہچان نہیں ان کے متعلق فرمایا: **السلام علیٰ من عرفت ومن لم تعرف.** ہر ملنے والے کو خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو سلام کرنا چاہیے (بخاری) مسلمان بچے جو مشفقانہ سلوک کے محتاج ہیں اور انہیں السلام علیکم کے کہنے کا عادی بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے بچوں کے متعلق حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم جب بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں السلام علیکم کہتے تھے۔ (ترمذی)

مصافحه اور معالقه

جس طرح السلام علیکم کے الفاظ مسلمانوں میں محبت، اخوت اور تعلقات پیدا کرنے اور ایک دوسرے کو متعارف کرانے کا ذریعہ بنتے ہیں اسی طرح مصافحہ (ہاتھ ملانا) اور معانقہ (بغل گیر ہونا) بھی دو ملنے والے افراد پر اچھے اثرات چھوڑتے ہیں۔ آنحضرت صلعم مصافحہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں **تصافحوا یذهب الغل عن قلوبکم.** آپس میں مصافحہ کیا کرو کیونکہ ایسا کرنے سے دل کی کدورتیں دور ہو جاتی ہیں۔ (کنز العمال جلد ۵)

حضرت نبی کریم صلعم کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ روز مرہ ملنے والوں کو السلام علیکم کہہ کر دُعا دیتے تھے اور ایک مدت بعد ملنے والوں سے مصافحہ بھی کرتے۔ اور جو شخص زیادہ عرصہ یا لمبا سفر طے کرنے کے بعد ملتا اس سے معانقہ کیا کرتے تھے حضرت جعفر بن ابی طالب بیان کرتے ہیں **فخرجنا حتیٰ اتینا المدنیة فتلقّانی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاعتنقنی** کہ جب ہم سرزمین حبش سے واپس مدینہ آئے تو آنحضرت صلعم سے ملے آپؐ نے مجھے اپنے گلے لگالیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

معاشرے کو پُر امن بنانے کے لیے ہمیں چاہیے کہ آنحضرت صلعم کے ارشادات کو سامنے رکھیں اور آپ کے پاک نمونہ کی اقتدا کریں تا کہ اخوت اسلامی کے قیام میں مدد مل سکے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب سلام کو عام کرنے میں کوشش کریں تا کہ اخلاق حسنہ کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔

☆☆☆

دینِ اسلام کی ترقی کا راز مسلم اقوام کے باہمی اتحاد میں مضمر ہے

مسلمانوں کے باہمی تعلقات جبر و منافرت اور تشدد کے بجائے امن و آشتی، محبت اور اخوت پر مبنی ہونے چاہئیں

افغیر دین اللّٰہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض...... وھوفی الاخرۃ من الخاسرین۝

(آلِ عمران: ۸۳ تا ۸۵)

ترجمہ: تو کیا اللہ کے دین کے سوا کچھ اور چاہتے ہیں اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی و ناخوشی سے اُسی کے فرمانبردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ کہہ دے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اُتارا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسمٰعیلؑ اور اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر اُتارا گیا۔ اور جو موسےؑ اور عیسیٰؑ اور دیگر نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں اور جو کوئی اِسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

یہ آیات بتلا رہی ہیں کہ اسلام میں دین کے بارے میں کیا موقف ہے یعنی اسلام فطرت اِنسانی کے مطابق ہے جس کو خوشی و ناخوشی سے انسان اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہؕ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۝

ترجمہ: اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ یہ قائم رہنے والا دین انسانی فطرت کے مطابق ہے اور فطرت غیر مبتدل ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسلام کسی جنتر منتر کا نام نہیں اور نہ محض چند جسمانی حرکات و اعمال کا نام ہے بلکہ ایک قلبی اور روحانی کیفیت کی حامل حرکات کا نام ہے۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ رب ارنی کیف تحی الموتیٰ. اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کیسے کو زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس بات پر ایمان نہیں رکھتا۔ عرض کیا ایمان تو ہے لیکن اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔ تو جب تک اطمینانِ قلب کی روشنی حاصل نہ ہو انسان ایمان میں ترقی نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی ارکان و اعمال کو صحیح طور پر بجا لاسکتا ہے۔ جس زمانے میں مسلمانوں کو ارکانِ اسلام پر عملی اطمینان حاصل تھا اور ارکانِ اسلام کو کما حقہ ادا کرتے تھے تو نہ صرف عرب کو بلکہ جہاں جہاں پہنچے ان ممالک کو امن و آشتی۔ سلامتی و سکون کی فضا سے معمور کر دیا۔ اس بات کو مخالفینِ اسلام بھی مانتے ہیں۔ مگر اسلام کی ترقی کو اسلامی فتوحات کے سبب خیال کرتے ہیں لیکن اِس بات کے معترف ہیں کہ جہاں مسلمانوں نے غلبہ حاصل کیا تو وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کی عملداری میں سکون اور سکھ کا سانس لیا۔ اور مسلمانوں کے اخلاق کے اعلیٰ نمونے سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ جبر و اکراہ اور جور و ستم والی حکومت دلوں کو بدل نہیں سکتی بلکہ اگر دل کے جذبات کے خلاف انسان پر جبر و تشدد ہوگا تو وہ بغاوت میں بدل جائے گا۔ مسلمانوں نے گیارہ صدیوں تک مشرقی اور مغربی ممالک پر حکمرانی اور ایمانی اور اخلاقی اصولوں پر کاربند رہے اور ان اصولوں پر زندگی بسر کرنے کی وجہ سے نہ صرف وہ ایک مضبوط قوم تھے بلکہ وہ سلامتی اور امن کے پیغامبر بنے اور انہوں نے دُنیا کو امن اور سلامتی سے بھر دیا۔ مگر آج ہماری حالت کس قدر قابل رحم ہے۔ ہمارے اپنے

ہمسایہ ملکوں پر نگاہ ڈالیئے وہاں خانہ جنگی برپا ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ہم نام لیوا تو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہیں جنہوں نے جب مکہ کو فتح کیا تو ان لوگوں کو جنہوں نے طرح طرح کے مظالم کیئے تھے اور مسلمانوں کو وطن عزیز کو چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا۔ لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر عفوو درگزر کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ اب یورپ والے کہتے ہیں کہ مسلم ملکوں میں بھائی بھائی کو کیوں قتل کر رہے ہیں۔ حالانکہ سبھی مسلمان ہیں یہ کہاں تک اِسلام اور مسلمانی ہے؟ یقیناً ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کیونکہ واقعات کا جواب دلائل نہیں ہوتے واقعات ہی ہوتے ہیں۔ یعنی عملی زندگی سے اسلامی اصولوں کی سچائی کو ثابت کرنا ہوگا۔ نہ کہ محض الفاظ کی صورت میں۔ ایک دفعہ ہمارے ایک مبلغ نے ذکر کیا کہ میں بحری جہاز میں سفر یورپ سے واپس آرہا تھا تو میں نے جہاز میں سوار ایک انگریز خاتون کو اسلام کی خوبیاں اور پاکیزہ اصول بیان کر کے تبلیغ شروع کی وہ سنتی رہی اور سر دھنتی رہی آخر جب جہاز مصر کی بندرگاہ اسکندریہ کے قریب پہنچا تو جہاز پر بورڈ آویزاں کر دئے گئے کہ اپنے اپنے سامان کی حفاظت کریں۔ اب اِس انگریز عورت نے کہا کیوں صاحب یہ وہی مسلمان قوم ہے جو اسلام کے اصولوں کو قبول کرتی ہے تو کیا یہ اثر ہے ان اصولوں کا؟

کیونکہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مجھے اپنی بے عملی پر شرمندگی ہوئی۔ ایسے ہی اخبار لائٹ کے صفحات میں ایک انگریز معترض نے اعتراض کیا تھا کہ جو اِسلام تم پیش کرتے ہو۔ مسلمانوں کے معاشرہ میں اس کا اجتماعی نمونہ بھی پیش کرو۔ آج اِسلام کی ترقی نہ کرنے کے اسباب میں نہ صرف غلط اعتقادات کو دخل ہے بلکہ اسلامی اصولوں پر عملی نمونہ پیش نہ کر سکنا بھی اس کی بری اور اصل وجہ ہے۔ اِسلام کے اصول تو مسلّمہ طور پر سچے ہیں۔ جن پر کسی جہت سے اعتراض کی گنجائش نہیں۔ لیکن ہمارے اعمال ان کے مطابق نہیں ہیں بلکہ اُن سچے اصولوں کی نفی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو جماعت امن اور سلامتی کا پیغام لے کر نکلی تھی وہ قوم بھی انتشار وافتراق کا شکار ہوگئی اور اس کی عملی حالت کا بھی وہ اعلیٰ معیار نہ رہا۔ یہ ایک عبرتناک داستان ہے۔

حضرت مرزا صاحب ایک عظیم اور صادق انسان تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں دین کے اصولوں پر ایک جماعت بنانے آیا ہوں۔ اس زمانہ کی ضرورت یہ نہیں ہے کہ حکومتیں حاصل کی جائیں بلکہ دلوں میں دین کے اصولوں پر ایمان کا مضبوط کرنا ضروری ہے۔ اور عملی حالت کو درست کرنا ضروری ہے جسٹس ایس اے رحمٰن صاحب مرحوم ایک دفعہ یہاں تشریف لائے وہ ''اسلام میں مرتد کی سزا'' پہ تحقیق کر رہے تھے انہوں نے لکھا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ میں نے اِس بارہ میں اُن سے دریافت کیا تو انہوں نے وضاحت کی کہ ایمان کا معاملہ دل سے متعلق ہے اور دل پر جبر نہیں ہوسکتا ؎

ہوش باش کہ جبر است خود دلیل گریز + تسلّیٔ دِلِ مَردم ازیں کجا باشد

اِس لیے ہر انسان کو فطری طور پر حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے اپنے اطمینانِ قلب کے ساتھ عقیدہ رکھے۔ ہاں انسانی تعلقات کیسے ہونے چاہئیں تو اس کے لیے قرآن پاک کا ارشاد ہے:

لنا اعمالناء لکم اعمالکم. ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ اس سے خدا کے ہاں سزا و جزا مرتب ہوگی۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

فاستبقوا الخیرات

نیکی میں سبقت کی کوشش تمام جھگڑوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اِس لیے جو شخص جن عقائد کا حامل ہے وہ انہیں کو سچا سمجھتا ہے۔ اس کے مقابل اپنے اعلیٰ اخلاق اور اعمال کا مظاہرہ یقیناً اس کا جواب شافی ہے۔ نہ کہ تشدّد و نفرت۔ اِس سے یقیناً مخالف قوتوں کو اُبھرنے کا موقع ملتا ہے۔ جیسے ایران کے انتشار سے کیمونسٹ نظریہ کی حامل تو وہ پارٹی (ایران کی کیمونسٹ پارٹی) فائدہ اُٹھائے گی اور اسلامی نظریہ کے حامل افراد کو نقصان پہنچے گا۔ ملک کا یہ انتشار اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ اِس لیے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک ہوں تاکہ اسلام کا بول بالا ہو۔ کیونکہ اتحاد میں ہی اسلام کی ترقی ہے۔

☆☆☆

اسلام نے خیرات کو انقلابی حیثیت عطا کی

احادیث نبویؐ اور اقوال صحابہؓ سے ابنِ حزم کی تائید

تلخیص و ترجمہ غلام نبی مسلم

ابن حزم کا اضافی ٹیکس کا نظریہ

ابن حزم کے مجوزہ ٹیکس کے خاص خاص نقاط حسب ذیل ہیں:

(۱) اس زمانے میں مسلم معاشرے میں ایک مفلس آدمی کا کم از کم معیارِ زندگی اور اس کی تکمیل کے لیے حکومت کا فرض۔

(۲) اس بلند پایہ انسانیت پرور مقصد کے حصول کے لیے اضافی ٹیکسوں کی تفصیل۔

(۳) اپنے نظریے کی تائید میں اثباتی دلائل۔

آپ اپنے تصانیف المحلی جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

''ہر ملک میں غریبوں کی امداد دولت مندوں پر فرض ہے۔ اور اگر کسی ملک میں زکوٰۃ کی مقدار ضروریات کے لیے ناکافی ہو تو حکومت مطلوبہ رقم کے حصول کے لیے طاقت سے کام لے سکتی ہے۔''

اس طرح جو تصورات قائم ہوئے۔ (۱) امیروں کی دولت میں غرباء کا حصہ زکوٰۃ کی مقدار سے بڑھ گیا (۲) اگر زکوٰۃ ضروریات پوری کرنے میں ناکافی ہو تو زکوٰۃ کی وصولی کے بعد حکومت مزید رقم وصول کرے۔

ابنِ حزم کے نظریئے میں سب سے اہم بات وہ معیار زندگی ہے جو اس نے غرباء کے لیے مقرر کیا اور حکومت کا فرض ہے کہ اس معیار کے حصول کے لیے ضروری ٹیکس لگائے۔

انہی کے الفاظ میں:

''غرباء کو ضروری غذا مہیا کی جائے۔ گرمی اور سردی کے مطابق ضروری کپڑے بہم پہنچائے جائیں اور بارش اور گرمی سے بچاؤ اور تخلیے کے لیے مکان دیا جائے۔''

یہ تصور فی نفسہ حیرت انگیز اور ترقی پسندانہ تھا۔ غذا، لباس اور رہائش کے سلسلے میں کم از کم معیارِ زندگی کا تصور کسی انقلابی مجلسی مصلح کے ذہن میں ہی آسکتا تھا۔ اس رجحان کی عظمت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ابن حزم سے پہلے فقہاء نے غرباء کے حقوق کی تعیین تو درکنار اُن کی ضرورت کی طرف مطلقاً توجہ نہ دی، انہوں نے زیادہ تر زکوٰت، اس کی انواع اور مقدار پر زور دیا اور شرعی ذرائع سے نتائج اخذ کرنے میں مصروف رہے۔

ابن حزم کے تصور کی رُو سے حکومتوں کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ (۱) غریبوں کو سر چھپانے کی جگہ دیں (۲) انہیں کافی غذا مہیا کریں۔ (۳) اور ضروری کپڑے بہم پہنچائیں۔

ان ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے لیے حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ ضروری سرمایہ بہم پہنچائے۔ خواہ اس غرض کے لیے اسے زکوٰۃ سے زائد ٹیکس عائد کرنے پڑیں۔

ابن حزم کو غیر رسمی طور پر یہ بات جرأت کے ساتھ طے کرنا پڑی کہ ایک معقول معیار برقرار رکھنے کے لیے غریبوں کو دولتمندوں

کی دولت سے خاص مقدار میں حصّہ ملنا چاہیے۔ایسے جدید اور دور رس نظریے کے لیے بلاشبہ ابن حزم ایسے بالغ النظر محقق کی ضرورت تھی ان کے دلائل کو ہم دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ جو دلائل قرآن وسنّت سے اخذ کیے گئے

۲۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال

ابنِ حزم کے نظریات کی قرآن وسنّت سے تائید

قرآن حکیم سے اپنے خیال کی تائید میں فرماتے ہیں:

''اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم (۲:۲۱۵) میں فرماتا ہے ''جو کچھ تم خرچ کرو وہ والدین، قریبیوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔''

پھر ہم قرآن کریم میں یہ بھی پڑھتے ہیں:

''اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی، اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ بھی جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔'' (۴:۳۶)

ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ حاجتمندوں، مسافروں اور غلاموں کا تمہارے مال میں حق ہے۔خیرات کے لفظ میں وہ تمام اقوام شامل ہیں۔جن کا شریعت نے دینا لازم قرار دیا ہے۔اور اس ذمہ داری سے گریز ایک حکم عدولی اور جرم ہے۔ پھر اس نے ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا عبادت کے ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے۔

ابن حزم نے تفہیم قرآن وسنت میں جو طریق اختیار کیا ہے اس پر غور ضروری ہے۔ اُن کی رائے میں شریعت کی رُوح تک پہنچنے اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اُن تمام قیود سے نجات ضروری ہے جو قرآن اور سنت کے سلسلے میں فقہاء نے عائد کر رکھی ہیں...... اور اس جذبے کے پیش نظر وہ سنت سے مسائل کا حل اخذ کرتے ہیں۔

ابن حزم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے ''جو رحم دل نہیں اس پر رحم نہیں کیا جائے گا'' اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں'' اور وہ جس کے پاس فالتو سرمایہ ہے، اور اپنے مسلم بھائی کو بھوکا یا ننگا یا پریشان حال دیکھ کر اس کی کماحقۂ امداد نہیں کرتا۔اس پر یقیناً رحم نہیں کیا جائے۔''

پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں:

''ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے۔ اسے چاہیے کہ نہ اپنے بھائی کو دُکھ دے اور نہ ہی اس سے بے انصافی کرے'' اور اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ''جو اپنے بھائی کو بھوکا یا ننگا چھوڑ دیتا ہے۔حالانکہ وہ اسے غذا اور لباس مہیا کر سکتا ہے وہ اپنے بھائی کی پستی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔''

انہوں نے حضرت ابو سعیدؓ الخذری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت بھی بیان کی ہے۔

''جس کے پاس فالتو کپڑا ہے اسے اپنے حاجتمند بھائی کے حوالے کر دے اور جس کے پاس فالتو غذا ہے اسے فاقہ کش کو عطا کر دے'' حضرت ابو سعید الخذریؓ نے مزید فرمایا ''اس حدیث کو تمام اشیاء پر چسپاں کرنے سے عیاں ہے کہ کسی فالتو شئے پر ہمارا کوئی حق نہیں'' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ابنِ حزم لکھتے ہیں:

''ان الفاظ میں حضرت ابو سعیدؓ نے اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بیان کر دیا ہے۔''

ابن حزم کے مرکزی نقطہ کو سمجھنے کے لیے ایک حقیقت کا ذکر ضروری ہے۔اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن وسنّت کی تعلیم کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ وہ اس سے متاثر تھے، تمام آیات اور احادیث پر

مجموعی نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مسلم پر لازم ہے کہ وہ اپنے حاجت مند دینی بھائیوں کو زیادہ سے زیادہ مدد دے اور انہیں باوقار زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دے۔

حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصریحات سے بھی ابن حزم کے اس نظریئے کی تائید ہوتی ہے کہ اگر زکوٰۃ کی رقم سے غربت کا مسئلہ حل نہ ہو تو حکومت دولت مندوں سے مزید رقم حاصل کر سکتی ہے۔ دراصل ابن حزم نے آنحضرت صلعم، خلفائے راشدینؓ اور صحابہ عظامؓ کے عمل کو اساس قرار دے کر اپنے نظریئے کی تعین و تخصیص کی اور اسے ٹھوس بنیاد پر قائم کیا۔

یاد رہے کہ اقوال نبویؐ سے زاید ٹیکس کے عام اصول مرتب ہوتے ہیں پھر بقول حزم حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ غرباء کے دوسرے حقوق بھی ہیں۔'' پھر لکھتے ہیں: ''الشعبیؒ، مجاہدؒ، طاؤسؒ اور دوسرے اکابر متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ ''دولت میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے حقوق بھی ہیں۔'' صرف ضحاک بن مزاحم نے اس سے اختلاف کر کے لکھا ہے: ''زکوٰۃ کے بعد دولت میں کوئی حق باقی نہیں رہ جاتا۔ مگر ابن حزم تبصرہ کرتے ہیں کہ فقہاء کی نظر میں ضحاک کی ذاتی رائے تو درکنار ان کی پیش کردہ روایات کوئی وزن نہیں رکھتیں۔''

یاد رہے کہ جن ناموں کا انہوں نے ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک تو جلیل القدر صحابی ہیں اور دوسرے تابعین، مذکورہ آراء میں زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکسوں کو اصولی طور پر تسلیم کیا گیا ہے مگر ابن حزم نے اپنی تائید میں حضرت علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ کی زیادہ واضح رائے پیش کی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:

''خدا نے دولت مندوں پر فرض کیا ہے وہ غرباء کو اس قدر مال دیں جس سے اُن کی حاجات پوری ہو سکیں، اگر غرباء کے پاس خوراک اور کپڑے کی کمی ہے تو اس کا موجب دولتمند ہیں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن سے باز پرس کرے گا اور انہیں عذاب دے گا۔

اس روایات سے واضح ہے کہ ٹیکس کو زکوٰۃ تک محدود نہ کیا جائے بلکہ ضروریات پوری نہ ہونے کی صورت میں مزید ٹیکس عائد کیا جائے۔ تا آنکہ سب لوگوں کو خوراک اور کپڑا مہیا کیا جائے۔ ابن حزم کا یہ بیان دراصل حضرت علیؓ کے بیان کا اعادہ ہی ہے۔ اور حضرت علیؓ نے بھی دوسروں سے الگ کوئی نئی بات نہیں کہی تھی البتہ انہوں نے بعض تفصیلات کا اضافہ کیا۔

اس جدّت کی اہمیت

اس بات کی اہمیت صرف اس وقت عیاں ہوگی جب زکوٰۃ کا مقصد اور اس میں مقصد کے حصول کی صلاحیت سامنے آئے گی۔ یہ صاف بات ہے کہ زکوٰۃ ایک مجلسی ٹیکس ہے۔ جس کی غرض اسلامی معاشرے سے غربت اور اس سے متعلقہ خرابیوں کا انسداد ہے لیکن کیا زکوٰۃ تمام حالات میں غربت کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے اس میں تمام وسائل و ذرائع موجود ہیں۔ اور اگر زکوٰۃ اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہے تو کیا شریعت اسلامی میں اس امر کی گنجائش موجود ہے کہ زکوٰۃ کی کمی پوری کرنے کے لیے مزید وسائل اختیار کیے جا سکیں۔

اگرچہ زکوٰۃ کا مقصد غربت کا قلع قمع ہے۔ تاہم اس کی تعیین میں غربت کی وسعت پیش نظر نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر زکوٰۃ مقرر کرنے سے قبل غریبوں کی تعداد اور ان کی حاجات کا جائزہ نہیں لیا جاتا ہے۔ یہ ایک مقررہ ٹیکس ہے جس میں دولت کے ساتھ ساتھ کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اور غریبوں کی ضروریات کے پیش نظر مخصوص رقم کی وصولی کی ضامن نہیں۔ چنانچہ بعض حالات میں زکوٰۃ ناکافی

ہوتی ہے، اور اگر غربت و افلاس کے دور کرنے کے لیے اسلامی قانون کو ذہن میں رکھیں تو ضروری ہے کہ ہم اپنی کوشش زکوٰۃ تک محدود کر دیں۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مزید ٹیکس میں لچک ضروری ہے۔ تاکہ حالات کے مطابق رقم میں کمی بیشی کی جاسکے اور غرباء کی ضرویات پوری کی جاسکیں، پس مزید ٹیکس سے پہلے ضروری ہے کہ غرباء اور مزید ٹیکس اس کی روشنی میں عائد کیا جائے۔ مزید ٹیکس کا یہ تصور صحابہ کرامؓ اور ان کے تابعین کے زمانے میں اُبھرا، جسے ابن حزمؒ نے اختیار کیا۔ تاکہ غربت کے انسداد کے عظیم اسلامی مقصد کی تکمیل میں زکوٰۃ کی کمی پوری کی جاسکے۔

دورِ حاضر میں ابن حزم کے ''زائد ٹیکس'' کے نظریہ کی تشریح

یاد رہے! ابن حزم نے محض زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایک زائد ٹیکس کا تصور پیش کیا ہے۔ مثلاً اس نے یہ تخصیص نہیں کی کہ ٹیکس سرمایہ پر عائد کیا جائے۔ یا دولت کے دیگر ذرائع میں سے وصول کیا جائے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ یہ ٹیکس کسی ایسے طریق سے حاصل کیا جائے کہ جو مقصد اس کے سامنے ہے وہ پورا ہو جائے۔ یہ امر ثانوی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ ٹیکس دولت مندوں پر کس صورت میں لگایا جائے، زیادہ آمدنی کی صورت میں یہ منافع سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس ٹیکس کے بچت کے لحاظ سے درجات ہونے ضروری ہیں۔

آخر میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غربت کے خاتمے کے لیے دورِ حاضر میں جو انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے وہ اسلامی رُوح کے مطابق اور اس کے تقاضوں کو بہت حد تک پورا کرتا ہے۔ ابنِ حزم نے مدتوں پہلے اسی اقدام کی تبلیغ کی تھی، تاکہ مجلسی ضرویات کو پورا اور غربت کو دُور کیا جاسکے۔

ایک بات واضح کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ زائد ٹیکس زکوٰۃ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے تجویز کیا گیا ہے اس لیے یہ کوئی جداگانہ ٹیکس نہیں۔ اَب اس کا تخمینہ کیسے لگایا جائے؟ میری رائے میں معقول اسلامی حل حسبِ ذیل ہے:

(۱) غریبوں کی تعداد اور ان کی ضروریات کا جائزہ لیا جائے۔

(۲) مسلمانوں سے وصول کردہ زکوٰۃ کی رقم اور غرباء کی ضروریات کا مقابلہ کیا جائے۔

(۳) غرباء کی ضروریات کے سلسلے میں ''زائد ٹیکس'' کی رقم کا اندازہ کیا جائے۔

زکوٰۃ اور زائد ٹیکس کو یکجا کر کے غریبوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک مشترک ٹیکس بھی عائد کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں ٹیکس کو زکوٰۃ اور زائد کو ٹیکس دو شقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ کہنا غیر محل نہ ہوگا کہ ان اقدامات کی اساس اس اسلامی اصول پر ہے کہ غربت کو دور کرنے کے لیے زکوٰۃ کی وصولی اور غرباء میں تقسیم حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔

ہم یہ بھی عرض کر دیں کہ جب ابن حزم نے ایک عام معیار زندگی کا ذکر کیا تو اس کے سامنے اپنے زمانے کے مجلسی حالات تھے، اور آج کم از کم ضروریات کے متعلق خیالات ابنِ حزم کے دَور سے مختلف ہیں۔ آج ضروریاتِ زندگی میں تعلیم، اور طبّی سہولتیں وغیرہ۔ بھی شامل کر لی گئیں، جو ابن حزم کے دور میں تعیشات میں شامل تھیں۔ اس لیے منصوبہ بندی کرتے وقت موجودہ دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پس ہمیں موجودہ معیار زندگی کے پیشِ نظر ٹیکس عائد کرنا ہوگا۔ اس طرح ہم یورپ اور امریکہ کے مقابل غربت کا مسئلہ بطریق احسن حل کر سکیں گے۔

☆☆☆

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کے ممبران بورڈ کی میٹنگ اور اراکین انجمن کی آمد و شرکت

محبان احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا اور اخوان جماعت دہلی کے ہمدردان واہل نظر حضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ حسب روایات احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا رجسٹرڈ کے ممبران بورڈ کی میٹنگ کی تاریخ متعین ہوتے ہی تمام ممبران بورڈ کے ساتھ ساتھ اراکین مرکزی احمدیہ انجمن لاہور پاکستان اور احباب دہلی کے ہر خواص وعام کو اس کی اطلاع اور دعوت دے دی گئی کہ میٹنگ ۸، ۹ ستمبر ۲۰۰۷ء بروز سنیچر واتوار کو ہوگی۔

الحمدللہ انجمن کے بانی وسرپرست جناب شوکت احمد علی صاحب دامت برکاتہم حالات کے پیش نظر میٹنگ سے ایک ہفتہ قبل ۳۱/اگست کی رات کو ہی دہلی پہنچ گئے اور پہلی ستمبر کو سب سے پہلے انجمن کے دونوں جگہوں (دفتر اور ایجوکیشن سنٹر) کا بنفس نفیس دورہ کیا اور جماعت دہلی کے صدر جناب عبدالغفار صاحب سے انجمن کی بہتری کے لیے صلاح ومشورہ کیا اور اپنے قیام گاہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

۲/ستمبر اتوار کا دن تھا اس دن لوگ یہاں عموماً فرصت میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس دن کو مناسب سمجھتے ہوئے آپ بغرض ملاقات انجمن کے دفتر ایل۔۲۵۔اے دلشاد گارڈن کی طرف روانہ ہوگئے اور جماعت دہلی کے ممبران کو بھی اس کی دعوت دے دی خدا کے فضل سے یکے بعد دیگر جماعت دہلی کے تقریباً تمام احباب پہنچ گئے اور جناب سرپرست صاحب کی صدارت میں دوپہر سے نماز مغرب تک ممبران جماعت دہلی کی ایک طویل میٹنگ ہوئی اور سبھی کی موجودگی میں ہر ایک کو آزادانہ اظہار خیال کا موقع ملا۔ حسن اتفاق سے جماعت جموں سے آئے ہوئے انجمن کے ایک اہم بورڈ ممبر عزت مآب عبدالحفیظ صاحب نے بھی اس میٹنگ میں شرکت فرمائی اور جناب سرپرست صاحب کی موجودگی میں تمام اہل مجلس احباب دہلی کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ موصوف اپنے صاحبزادہ کے داخلہ کے سلسلہ میں دہلی آئے ہوئے تھے اور انجمن میں آپ کے ہمراہ آپ کا صاحبزادہ عاجز صاحب اور اہلیہ صاحبہ بھی تشریف لائیں ہوئی تھیں جزاک اللہ! بہر حال میٹنگ کے بعد بھی حضرات سلام کہتے اور مصافحہ کرتے ہوئے رخصت ہوگئے۔

۳/ستمبر بروز سوموار جناب سرپرست صاحب بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدّد صد چہارم دہم کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے صدر جماعت دہلی عبدالغفار صاحب کے ہمراہ قادیان روانہ ہوگئے وہاں زیارت مزار حضرت مسیح موعود، زیارت مسجد اقصیٰ، زیارت بیت الدعا بہشتی مقبرہ وغیرہ

غرض کہ جہاں سے احمدیت کا آغاز ہوا تھا اور جہاں آپ کے پیرومرشد مہدی زماں مدفون ہیں اس کے آستانہ پر اپنے عقیدت کے پھول نچھاور کرنے اور اپنی والہانہ دُعاؤں کے بعد آپ ۴ستمبر بروز منگل کی شام کو دہلی واپس آئے اور یہاں آتے ہی انجمن دہلی کے کچھ احباب سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری کر دیا اور ہنوز یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ مرکزی احمدیہ انجمن لاہور کے دو اہم ستون جناب میاں عمر فاروق صاحب (چیئرمین عالمگیر احمدیہ انجمن لاہور) اور جناب عامر عزیز صاحب (جنرل سکریٹری احمدیہ انجمن لاہور) کی آمد کی خبر ملی کہ کل دونوں حضرات حضرت امیر جماعت احمدیہ لاہور مدظلہ العالی کی جانب سے ہم جماعت

دہلی کے لیے پیغام اصلاح وتربیت لے کر دہلی میں ورود کرنے والے ہیں پھر کیا تھا ہمارے قلوب فرحت ومسرت سے کھل گئے چونکہ رات بہت ہو چکی تھی ہلکی سی نیند کے بعد دو تہائی رات گزرتے ہی ہم مہمانان کی آمد کے منتظر ہوئے چنانچہ ۵ ستمبر کی صبح صادق ہوتے ہی مرکز کے ایک معزز مہمان عامر عزیز صاحب دہلی پہنچ گئے اور ہمیں شرف ملاقات بخشا۔ ہم انہیں جائے قرار تک پہنچانے اور قیام کا معقول انتظام کرنے کے بعد جناب سرپرست صاحب کے ہمراہ ہم ہائی کورٹ کے کچھ خواص وکلاء حضرات کو اس کی دعوت دے ہی رہے تھے کہ یہ خبر آئی کہ ہمارے دوسرے بزرگ ومعزز مہمان میاں عمر فاروق کا طیارہ لاہور سے پرواز کرنے والا ہے اور کچھ ہی دیر میں دہلی پہنچ جائے گا اور آپ کے ساتھ آپ کی رفیقہ حیات بھی آرہی ہیں۔ خبر ملتے ہی سرپرست صاحب ان کے استقبال کے لیے ایرپورٹ کی جانب روانہ ہوگئے ان کا خیر مقدم کیا اور اپنے ساتھ لے کر آئے پھر انہیں اپنے قریبی ایک ہوٹل میں ٹھہرایا۔

بعد شب باشی ۶ ستمبر بروز جمعرات جناب شوکت احمد علی صاحب کے ہمراہ مہمانان کرام جناب میاں عمر فاروق صاحب اور جناب عامر عزیز صاحب کے انجمن کے دفتر لشاد گارڈن میں تشریف لاتے ہی دفتر میں پہلے سے موجود احباب جماعت اور اراکین احمدیہ انجمن نے دل میں ''واھلًا و سھلاً مرحباً'' آئے ہمارے پیشوا کا نغمہ گنگناتے ہوئے مہمانوں کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ بعد ازاں تینوں رہبران انجمن نے بہت ہی پُرخلوص ماحول میں منتظرین وموجودین سے مصافحہ ومعانقہ کیا اور ایک دوسرے سے متعارف ہونے کے بعد جماعت کے حالات وکوائف دریافت کیے اور دوران گفتگو جماعت سے منسلک افراد کی آراء وتجاویز بھی گوش گزار کیں (جو ۸ ستمبر کو ممبران بورڈ کی میٹنگ میں پیش ہونی تھیں) گفتگو بسیار کے بعد جناب میاں عمر فاروق صاحب اور جناب عامر عزیز صاحب نے قرآن وحدیث سے لبریز حضرت مسیح موعودؑ کی پند ونصائح سے حاضرین مجلس کو نوازا سب کو متحد ومتفق ہونے اور پکا وسچا، باعمل احمدی مسلمان بننے کی تلقین کی اور حاضرین نے ان پند ونصائح کو قبول کرتے ہوئے خلوص دل سے جماعت کو آگے بڑھانے کا خاموش وعدہ کیا اور اس طرح پروگرام کے اختتامی لمحات جماعت کے لیے پرسکون اور خوش کن واقع ہوئے۔ اس جلسہ میں مندرجہ ذیل حضرات موجود تھے۔

جناب عبدالغفار صاحب (صدر)، ممتاز عالم صاحب (مبلغ)، بیگم عبدالرزاق اصغری بانو صاحبہ (نائب صدر)، جناب عین الدین صاحب (بورڈ ممبر)، جناب اسلم اعجاز صاحب (کمپیوٹر آپریٹر) جناب شمس الحسن صاحب (ممبر دہلی کمیٹی)، آسام سے آئے ہوئے جناب عبدالمنان صاحب (بورڈ ممبر)، جناب مشتاق احمد صاحب (مبلغ وامام جماعت جمو)، جمو سے جناب خالد جبار صاحب اور جناب اشتیاق صاحب، بہار سے محمد اشتیاق صاحب اور آصف، دہلی طاہر پور سے مختار خاں صاحب اور مختار انصاری صاحب، سندر نگری سے عزیز خاں صاحب اور جناب سعید احمد صاحب اور دہلی کے مختلف اطراف سے صابر احمد صاحب، ایس احمد صاحب، محمد سلیم صاحب، افضل اعجاز صاحب، قمر جہاں صاحبہ اور کچھ ہمدردانِ احمدیہ انجمن وغیرہ۔

بالآخر جناب عامر عزیز صاحب (جنرل سکریٹری مرکزی احمدیہ انجمن لاہور) نے بعد نماز مغرب تمام اہل اسلام بالخصوص اراکین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے لیے باآواز بلند دُعائے خیر کیا اور جماعت کی تعمیر وترقی کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے گڑگڑا کر دُعائیں مانگیں اور سامعین نے ان دُعاؤں کو باآواز بلند آمین سے مزین کیا۔ رخصتی سے چند لمحے قبل مہمانوں نے دوسرے دن جمعہ کی نماز کے بعد اصلاحی وتربیتی کیمپ کے انعقاد کا اعلان کیا اور جماعت کے تمام افراد کو پروگرام میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہوئے السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ کہتے اور اجازت لیتے ہوئے دفترِ انجمن سے رخصت ہوگئے۔

۷ ستمبر کو حسب پروگرام سابقہ بعد صلوٰۃ جمعہ میاں عمر فاروق صاحب (چیئرمین عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور) نے مسیح موعودؑ کی سورۂ فاتحہ کی تفسیر عام فہم اردو زبان میں پڑھ کر سنائی جسے حاضرین نے خوب دل جمعی سے سنا۔ جناب صدر عبدالغفار صاحب نے مسیح موعود کی نظم سے لوگوں کو خوب محذوز کیا۔ کئی دوستوں نے اپنے تاثرات پیش کیے اور وعظ و نصیحت اور افہام و تفہیم کے ماحول میں وقفہ چائے اور نماز عصر کے بعد جناب عامر عزیز صاحب نے اپنے عالمانہ خطاب سے سامعین کو بہت متاثر کیا۔ آپ نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا مختصر تعارف پیش کیا اور بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کی سوانح حیات پر روشنی ڈالی اور مسیح موعودؑ کی زندگی کے اہم واقعات و پیش گوئیوں کی جانب حاضرین مجلس کی توجہ دلائی اپنے خطاب کے دوران وقفہ، وقفہ سے مسیح موعود کی زندگی سے متعلق سوال و جواب بھی ہوئے سوال پوچھنے پر آپ نے تسلی بخش جواب دے کر سامعین کو مطمئن کیا عصر سے مغرب تک چلنے والے اس پُرعلم دور نے حاضرین جلسہ کو اس قدر متاثر کیا کہ لوگوں پر سکتہ طاری ہو گیا اور لوگوں نے کہا کہ اس طرح کا پروگرام آئندہ بھی ہونا چاہیے بلکہ ایک شخص نے تو کھڑے ہو کر مؤدبانہ گزارش کی کہ اس طرح کے سال میں کم سے کم ۳،۴ پروگرام ضرور ہونے چاہیے تو جواباً مرکز سے آئے مہمانان محترم نے کہا ضرور ضرور، ہم آئندہ بھی اسی طرح آپ کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ بعد الصلوٰۃ المغرب اور دُعاؤں کے بعد سبھی لوگ سلام کہتے ہوئے اور ایک دوسرے سے ملتے ہوئے، اجازت چاہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

مورخہ ۸ ستمبر بروز سنیچر جناب عامر عزیز صاحب، میاں عمر فاروق صاحب اور شوکت احمد علی صاحب کی قیادت میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے آئے ہوئے ممبران بورڈ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا رجسٹرڈ کی ایک اہم نشست انجمن کے ایجوکیشن سینٹر H-26A، دلشاد گارڈن میں ہوئی جس میں دہلی سے عبدالغفار صاحب (بورڈ ممبر)، مفتی ممتاز عالم صاحب (خازن)، عین الدین صاحب (بورڈ ممبر)، شعیب رضا فاطمی صاحب (بورڈ ممبر) بنگال سے اشفاق حسین صاحب (سکریٹری)، آسام سے عبدالمنان صاحب (بورڈ ممبر)، کشمیر سے ریاض احمد صاحب (بورڈ ممبر)، بمبئی سے بیگم عبدالرزاق اصغری بانو صاحبہ (نائب صدر) نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ملفوظات حضرت مسیح موعود کے ساتھ مجلس کی کاروائی شروع ہوئی۔ صوبائی انجمنوں کے حالات و ضروریات پیش کی گئیں اور انجمن کے داخلی و خارجی امور پر گفت و شنید کے بعد اس کی ترقی و ترویج کے لیے چند اہم تجاویز پاس کی گئیں جن میں سے بعض اس طور پر ہیں مثلاً انجمن دہلی کی کارکردگی کے لیے فی الوقت پانچ افراد پر مشتمل ایک تنخواہ دار عملہ ترتیب دیا گیا جس کی تفصیل اس طور پر ہے۔

عبدالغفار صاحب انجمن کے دفتر دلشاد گارڈن میں ڈیوٹی کا فریضہ سرانجام دیں گے علاوہ ازیں قرب و جوار کے لوگوں سے موقع بموقع تبلیغی ملاقاتیں بھی کریں گے اور ہفتہ میں ایک دفعہ شہر دہلی کے کسی خاص علاقہ کا دورہ بھی کریں گے۔

مفتی ممتاز عالم صاحب انجمن کو روزانہ اپنا وقت ۱۲ بجے دن سے ۹ بجے رات تک (مکمل ۹ گھنٹے) دیں گے اس دوران ماہنامہ ''چودھویں صدی'' کی ایڈیٹنگ، پروف ریڈنگ اور اس کی نشر و اشاعت کے علاوہ موقع بموقع اطراف دہلی کے تبلیغی دورے بھی کرتے رہیں گے۔

اسلم اعجاز صاحب کو جز وقتی طور پر کمپوزنگ کا کام دیا گیا ہے جس میں جریدہ چودھویں صدی کے علاوہ انجمن کے دیگر لٹریچر یا مضامین اور خط و کتاب بھی شامل ہیں۔

سعید احمد صاحب کو بھی جز وقتی طور پر انجمن کے کام کے لیے رکھا گیا ہے موصوف انجمن میں مکمل چار گھنٹہ اپنا وقت دیں گے جس میں فریضہ نائب امام کے علاوہ انجمن کے تبلیغی و ضروری کام و کاج میں حصہ لینا شامل ہے۔

عبدالرزاق صاحب کو پورے وقت کے لیے انجمن میں ملازم کے طور پر رکھنے کی بات ہوئی ہے ان کے فرائض ماہنامہ چودھویں صدی کی پیکنگ و پوسٹنگ دفتری صفائی ستھرائی مہمانوں کے لیے خاطر مدارات اور ان جیسے بقیہ امور کو سرانجام دینا ہے۔ علاوہ ازیں ضرورت اور حالات کے لحاظ سے سعید احمد صاحب اور عبدالرزاق صاحب کے لیے لائحہ عمل دہلی کمیٹی تیار کرتی رہے گی۔

صوبائی انجمن جموں و بھدرواہ کے لیے دو معلمین اور ایک کمپیوٹر کی منظوری ہوئی ہے اس کی بھی تفصیل ملاحظہ ہو!

(۱) جماعت جموں کے معلم و امام الصلوۃ مشتاق احمد صاحب کے متواتر کئی سالوں کے خدمات کو سراہتے ہوئے ممبران بورڈ نے صدر انجمن دہلی کی جانب سے موصوف کو بطور تنخواہ ہر ماہ ایک مختص رقم دینے کا فیصلہ کیا ہے اور ماہ دسمبر ۲۰۰۷ء تک کی اگلی و پچھلی تمام تنخواہ دیدی گئی۔

(۲) اسی طرح جماعت بھدرواہ کے لیے عبدالحفیظ غنیؔ صاحب کو معلم و امام کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اور موصوف کی بھی تنخواہ ماہ ستمبر ۲۰۰۷ء سے مقرر ہوگئی ہے اور ماہ ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء تک کی پوری تنخواہ بھجوادی گئی ہے۔

(۳) جماعت بھدرواہ کے صدر جناب عبدالشکور صاحب کے ایک کمپیوٹر کی درخواست کو منظوری دے دی گئی۔ اور اس کے لیے متعینہ رقم دے کر اس کی خریداری اور پہنچانے کا کام جناب ریاض احمد صاحب اور مشتاق احمد صاحب کے سپرد کیا گیا ہے۔

ان فیصلوں کے علاوہ انجمن کی تعمیر و ترقی کے لیے اراکین عاملہ کو مزید ذمہ داریاں بھی سونپی گئیں اور تین اشخاص پر مشتمل ایک عملہ بطور نگراں مقرر کیا گیا جو انجمن پر ہونے والے تمام اخراجات کی نگہداشت کرے گا اور انجمن کے نظم و نسق کی بہتری کے لیے ہر طرح معین و مددگار رہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے رسول پر درود وسلام کے بعد نشست برخاست ہوگئی اور ممبران بورڈ کی قرارداد پر سبھی احباب جماعت نے خوشی کا اظہار کیا اور نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد سبھی لوگ رخصت ہو گئے۔

۹ر ستمبر بروز اتوار احباب جماعت دہلی کی آپسی میٹنگ ہوئی اور سبھی احباب جماعت دہلی نے اتحاد و اتفاق کا ثبوت پیش کرتے ہوئے سبھی لوگوں نے انجمن کے کام کاج میں حصہ لیا از سرنو دفتر کی صفائی کی گئی اور نظم و نسق کو بحال کیا گیا اور سبھی احباب (چھوٹے سے بڑے تک) انجمن کے دفتر میں جھاڑو لگانے اور خدمت کرنے پر فخر محسوس کیا اور اس طرح ہمیشہ انجمن کی سرگرمی میں حصّہ لینے کا وعدہ کیا۔ جناب سرپرست صاحب نے آکر اس کا مشاہدہ بنفس نفیس کیا اور مبارکباد دی اور صبح سے شام تک اسی سرگرمی اور کشمکش میں گزر گئے اسی اثنا میں جناب سرپرست صاحب نے تین ممبران کے ساتھ ایک نئے ایجوکیشن سنٹر اور شاخ کے لیے جگہ دیکھنے سندر نگری بھی گئے اور معائنہ کے بعد سنٹر کھولنے کا مشورہ دیا اس طرح آج کا دن بھی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا اور لوگ اپنے مسکن کی اور روانہ ہو گئے۔

۱۰ر ستمبر کو حسبِ پروگرام بروز سوموار عامر عزیز صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے مقالہ (ایک غلطی کا ازالہ) کی تشریح بیان کی اور بتایا کہ اس سے مقصود اپنی غلطی کا ازالہ نہیں بلکہ مرید کی غلطی کا ازالہ تھا اور جماعت کی تقسیم کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے جماعت قادیان کے جماعت لاہوری پر لگائے گئے الزامات کا دفع کیا اور بتایا کہ جماعت قادیان نے صرف یہی نہیں کہ انجمن پر غاصبانہ قبضہ کیا بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کی انجمن میں شریعت اسلامی کے خلاف اپنے عقیدوں کو سحر انگریزی سے شامل کر دیا جس کے سبب علماء نے تمام احباب انجمن پر کفر کے فتوے عائد کیے، اور پابندیاں عائد کیں۔ (الامان والحفیظ)

جماعت کے اختلاف وعقائد کے تعلق سے موصوف نے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور ان کے دگر خلفاء کے متضاد بیانات کا ذکر بھی کیا اور مولانا محمد علی صاحب کی قربانیوں کا ذکر کرکے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کو مسیح موعود کی حقیقی انجمن اور جانشیں قرار دیا۔

☆☆☆